اندھیروں نے مات کھائی ہے

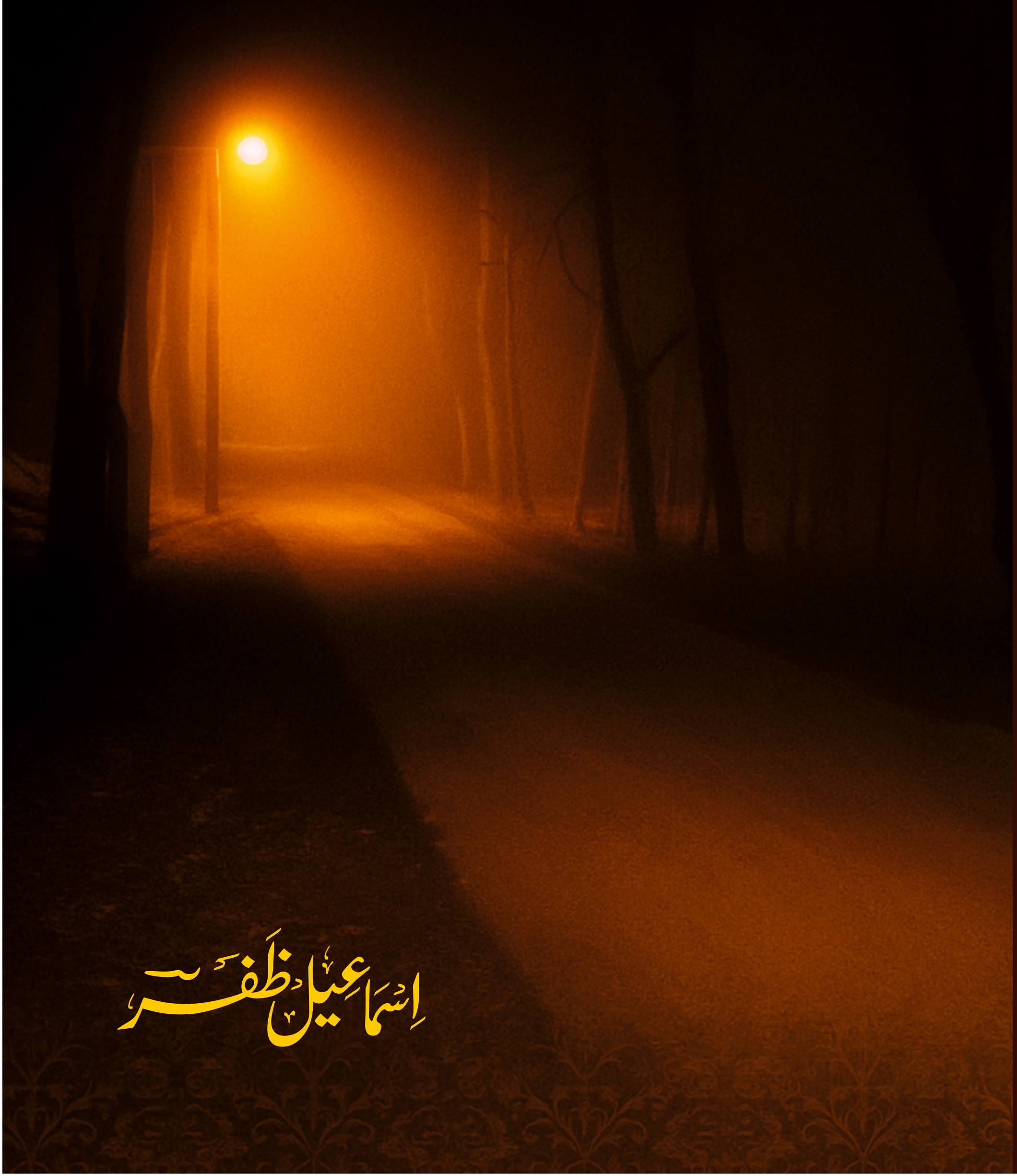

اسماعیل ظفر

اندھیروں نے مات کھائی ہے

اسماعیل ظفر

Andheron ne maat khai hai

Ismail Zafar

نام : قاری محمد اسماعیل ظفر —— قلمی نام : اسماعیل ظفرؔ

والد کا نام : حاجی محمد یاسینؒ —— والدہ کا نام : آمنہ بی بیؒ

ولادت : 18 ستمبر 1942 عیسوی —— 6 رمضان 1361 ہجری

تعلیمی لیاقت : حافظ، قاری، ایم اے

بانی و ناظمِ اعلیٰ، مدرسہ باب العلوم —— نگرانِ اعلیٰ، جبریل انٹرنیشنل اسکول

سرپرست، دی ایسٹرن پوسٹ —— سرپرست، اے ہینڈ (سماجی تنظیم)

رکن : مجلسِ شوریٰ ندوۃ العلماء، لکھنؤ —— صدر، عالمی رابطہ ادبِ اسلامی، کلکتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اندھیروں نے مات کھائی ہے

(شاعری)

اسماعیل ظفر

کہیں پہ فکرِ جدید و قدیم پہنچی ہے
کہیں پہ صوتِ لعین و رجیم پہنچی ہے
وہاں وہاں پہ اندھیروں نے مات کھائی ہے
جہاں جہاں پہ کتابِ حکیم پہنچی ہے

اندھیروں نے مات کھائی ہے

(شاعری)

اسماعیل ظفرؔ

باب پبلی کیشنز

1، ڈاکٹر سریش سرکار روڈ، کلکتہ — 700 014

© قاری محمد اسماعیل ظفرؔ

کتاب	:	اندھیروں نے مات کھائی ہے (شاعری)
شاعر	:	اسماعیل ظفرؔ
طبع اوّل	:	2013ء
طبع دوم	:	2025ء
صفحات	:	280
تعداد	:	1000
قیمت	:	-/300 روپے
کمپوزنگ	:	ضیاء الحق
سرورق	:	رضی احمد
ناشر	:	باب پبلی کیشنز، کلکتہ
زیر اہتمام	:	نسیم فائق

ANDHERON NE MAAT KHAI HAI

Poetry by :

Qari Md. Ismail Zafar

Year of Publication : 2013 & 2025

Price : Rs. **300**/-

DISTRIBUTERS:

- **I BOOK WORLD**
  17B, Shamsul Huda Road, Kolkata - 700 017, Ph: 9331504031
- **GULISTAN PUBLICATIONS**
  67, Maulana Shaukat Ali Street, Kolkata-700073
- **MAKTABA JAMIA LTD**
  Delhi, Aligarh, Mumbai

انتساب

ابا جان

حاجی محمد یاسین صاحب

________ کے نام

کہ انہوں نے مجھے

قرآن مجید سے وابستہ کر کے

ایک ایسے 'نور' سے متعلق کر دیا

جس نے میری زندگی کی ساری راہیں روشن کر دی

مجھے یقین ہے کہ

یہ نور

قیامت کے دن بھی

میرے ساتھ ساتھ ہوگا۔

فہرست

اپنی بات	اسماعیل ظفرؔ	11
خیر مقدم	علقمہ شبلی	13
قاری صاحب کی شاعری پر ایک نظر	قیصر شمیم	16
تاثرات	پروفیسر حافظ محمد طاہر علی	22
قاری اسماعیل ظفر کی شاعری میں عصری معنویت	مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری	31
اسماعیل ظفر: شخص اور شاعر	نور الہدیٰ	35
تقریظ	ڈاکٹر شبیر ابروی	40
والدِ محترم کی اصلاحی شاعری	ڈاکٹر مولانا صباح اسماعیل ندوی	42
حمد		
جگ میں چاہے جو بھی جو ہو، لیکن جگ کا اللہ ہے تو		49
سبھوں کو چھوڑ کے جب رب سے جا ملا لوگو!		51
مناجات		
میری دعا نہیں ہے کہ مال و منال دے		55
میرے مالک! مجھے خوشیوں کا خزانہ دے دے		57
نعت		
دو عالم پر جو رحمت بن کے برسے، وہ گھٹا تم ہو		61
کسی کو چاند میں چہرہ دکھائی دیتا ہے		63
کبھی جو چاہوں کہ نعتِ رسول ﷺ میں لکھوں		65
دشمن کو بھی اس بات سے انکار نہیں ہے		67
وہی محبوبِ خالق ہے، وہی نبیوں میں برتر ہے		69
ہر علم کی جس ذات سے تخلیق ہوئی ہے		71
یہ بدر کی وادی میں شہیدوں کی صدا ہے		73
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا		75
ہو صبح کوئی کہ شام کوئی		78

غزلیں

- نہ جانے کون ہے جس کا ہے انتظار مجھے 81
- کسی کی یاد ہر اک پل ستائے کیا معنی 83
- میرا چہرہ اگر پڑھا ہوگا 85
- نہ منصب دار ہو جائے، نہ گوہر بار ہو جائے 87
- غلط باتوں کی قرآں میں طرف داری نہیں ہوتی 89
- کب یہ کہا کہ راہ میں دشواریاں نہ دے 91
- جو ہو سکے تو مرا پھر سے تو مقدر لکھ 93
- نہ ہو گر تم تو پھر کوئی نگر اچھا نہیں لگتا 94
- بے وفائی، کج ادائی، بے رُخی جیسی بھی ہو 96
- پہلے دل و دماغ پہ کچھ اختیار دے 98
- خود کو اتنا بھی نہیں حد سے اٹھایا جائے 99
- مندر میں گیا، من ہی کے اندر نہیں دیکھا 100
- وقت جو بدلے تو شجرہ نہیں بدلا جاتا 101
- مانا کہ پیر اور قلندر نہیں ہوں میں 102
- کبھی صرصر سے لڑتی ہے، کبھی ریتوں میں جلتی ہے 103
- خیال جس کا کیا میں نے باغباں کی طرح 104
- وہ خود سب سے اونچا بولتا ہے 105
- ندی نہیں ہے، سمندر نہیں، حباب تو ہے 106
- پھول، خوشبو، پون، مہ لقا زندگی 107
- دفن کے بعد مری قبر پہ کتبہ لکھنا 108
- اس دورِ ترقی کا بس اتنا فسانہ ہے 110
- حمد یا نعت جو لکھنا ہو تو برتر لکھنا 112
- ہم اُسے حاصلِ دعا سمجھے 113
- منصب، سند، نسب، نہ ہی شاہنشہی سے پوچھ 115
- میرے احساس کی دہلیز پہ ایسا کیوں ہے 117
- یہ کیا کہ ہر گھڑی قلبِ حزیں کی بات کرو 119
- دلوں میں شرم، نظر میں کوئی حجاب نہیں 121

- بکھرا بکھرا ہوا ہر برگِ شجر لگتا ہے 123
- ہے کون جس میں دوستو! کچھ خامیاں نہیں 124
- جان اپنی نہ شان ہے یارو! 126
- کیوں نگاہوں میں بحر و بر رکھئے 128
- اُسی کے آگے سبھی سر جھکائے جاتے ہیں 130
- کسی کے دستِ کرم کو کچل سکو تو چلو 132
- جنگل ہے یہ ایسا جہاں منگل نہیں دیکھا 134
- فیصلہ اُس کا تو معلوم ہے کیسا ہوگا 136
- کیسے کسی سے پیار کروں یار کی طرح 138
- تلاشِ حق کے مسافر! یہ کام کر لینا 140
- کسی سے ذکرِ غمِ روزگار مت کرنا 142
- سانس جاتی ہوئی میری جو پلٹ آئی ہے 144
- شراب ایسی کوئی ساقی! پلا دے 145
- ہر ایک دل یہاں دیکھو ملول ہے بابا 147
- دل میں تھے زخم، ہم سے دکھائے نہیں گئے 149
- کس قدر جاں فزا نظارے ہیں 151
- جب بھی رقصِ بہار ہوتا ہے 153
- لاکھ ٹوپی پھٹی پرانی ہے 155
- کسی کی بھیک سے ہستی کو خوش گوار نہ کر 157
- رات نے کتنا ظلم کیا ہے، چندا، بادل بولے گا 159
- سبھی ہیں اپنے لیے اور اپنے گھر کے لیے 161
- اقرار تو اُس کا مجھے انکار لگے ہے 163
- فسانۂ دلِ خوں گشتہ تو سنانے دو 165
- جیون میں جو خوش رہنا ہے، غم میں بھی مسکانا سیکھ 167
- دوستو! دورِ تمدن کا یہ منظر کیوں ہے 168
- اپنے گناہ جس سے سمیٹا نہ جائے ہے 169
- شدتِ کرب کو نغموں سے چھپائیں کیسے 170
- لے کر صبا جو آئی ہے جھونکے بہار کے 171

❖ طوفان میں اگر کبھی گھر جائیے جناب 172
❖ پہلے نظامِ عدل کا سامان کیجیے 173
❖ اُس کا ہی اس جہان میں اونچا مقام ہے 174
❖ لاشیں، خون، دھماکہ کیوں؟ 176
❖ جو چاہو دو خوشی سے تم الزام دوستو 178
❖ مجھ کو اُس سے کوئی گلہ ہی نہیں 180
❖ مقتول کے چہرے پہ جو مسکان ہوا تو 182
❖ قسمت کا فیصلہ ہے عجب آدمی کے ساتھ 183
❖ جینے کا ہم میں حسنِ سلیقہ نہیں رہا 185
❖ بن کے ہمدرد مرا مجھ سے سیاست کیسی 187
❖ اب تو حیوان نہ شیطان سے ڈر لگتا ہے 188
❖ خوشبو، صبا کا حق تو اثاثہ کسی کا کیوں 189
❖ سارا جہان وقف ہے شیطان کے لیے 190
❖ خیالِ موت لیے ساتھ میں پھرو تو سہی 191
❖ جو شخص سیم وزر کے اثر سے بچا نہیں 192
❖ آج پلکوں پہ مرے اشک سنور جانے دو 193
❖ کس نے تاکا، کس نے مارا، یہ کہانی پھر کبھی 194
❖ سارے بتوں کا پہلے تو انکار کر کے دیکھ 196
❖ چہرہ اُس آدمی کا عجب سا لگا مجھے 198
❖ ہر گام پر حیات میں محرومیاں نہ ہوں 200
❖ کسی کے واسطے گر خود کو وہ مٹا دے گا 202
❖ عجیب پیار کی مجھ کو ملی سزا لوگو! 203
❖ اقرار کا دھڑکا ہے نہ انکار کا دھڑکا 204
❖ آنکھ قاتل سے جو ملاتا ہے 205
❖ کب کسی کو برتری یا کمتری اچھی لگی 207
❖ جو ہمیں روز ڈراتا تھا بلاؤں کی طرح 209
❖ خلوص کا جو دیا ضو فشاں نہیں ہوتا 211
❖ کہتا ہوں کب نہ صبح کی فکرِ مدام ہو 213

❖ جورب کے سوا اور پہ تکیہ نہیں کرتے 215
❖ ہے کتابوں میں اونچا، لکھا آدمی 217
❖ زندگی میں خوشی تلاش نہ کر 219
❖ عورت جو مسیحا تھی، اب زہر پلاتی ہے 221
❖ کسی کے دل میں دُکھنے کی صدا محسوس ہوتی ہے 223
❖ شریکِ راہِ ہستی کی یہی، بس اب حقیقت ہے 225
❖ دنیا میں تو رہنا مولا! اب ہے دور از کار بہت 227
❖ میں پلٹ آؤں گا اک بار بلاؤ تو سہی 229
❖ کیوں پوچھتے ہیں کس نے ظفر کو پناہ دی 231
❖ قرآن کے اوراق میں یہ صاف لکھا ہے 233
❖ جنگل میں یہ شور بپا ہے آج کا انساں ایسا کیوں؟ 235
❖ میں ہوں رات کی سیاہی، وہ ہے پیکرِ سویرا 237
❖ اپنی قربت سے مجھے بھی تو منور کر دو 238
❖ تمہاری بے رخی کو تم ہی بتلاؤ کہ کیا سمجھوں 239
❖ حلیف مجھ کو وہ لگتا ہے کیا کیا جائے 240
❖ چھوٹی موٹی بات کو دفتر مت سمجھو 241

○ نظمیں

❖ قرآن کی آپ بیتی 245
❖ پیرِ حرم 248
❖ قومِ مسلم 250
❖ سچ ہے کہ نہیں؟ 252
❖ شاہینِ اسلام 245
❖ دُخترانِ ملت 256
❖ بتاؤ کیا خریدو گے؟ 259
❖ ایک عزیز کی بے چارگی 261
❖ بہار بن کے رہو 265
❖ دعائیہ نظمیں 267-269

○ قطعات 271

اپنی بات

'اندھیروں نے مات کھائی ہے' میری کتاب ہی کا عنوان نہیں میری زندگی کا عنوان بھی ہے۔ الحمدللہ میری زندگی بہت خوش گوار اور پُرسکون گزری ہے۔ نشیب و فراز ہر زندگی کا حصہ ہے مگر زمانے نے مجھے کوئی ایسا غم نہیں دیا جس کی کلفتیں میرے لیے ناقابل فراموش ہو جائیں۔ نامناسب اور نامساعد حالات بہت دیر تک کبھی قائم نہیں رہے۔ فرحت بخش ساعتوں کا زمانہ ہمیشہ طویل اور تکلیف دہ گھڑیوں کا موسم ہمیشہ مختصر رہا ہے۔ میرے احباب میرے بیان کی صداقت کی شہادت دینے کے لیے موجود ہیں۔ یہ دراصل ایک راز ہے۔ یہ قرآن مجید کی برکت ہے۔ میری زندگی بچپن سے جوانی تک قرآن سے وابستہ رہی ہے اور یہ وابستگی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس نے میری زندگی کی راہوں کو ہمیشہ روشن رکھا ہے۔

قرآن نور مبین ہے۔ یہ روشن کتاب جہاں بھی رہتی ہے اپنے گردو پیش کو روشن و منور رکھتی ہے۔ میری خوش نصیبی یہ ہے کہ میں ہمیشہ اس سے وابستہ رہا ہوں اور یہی وہ نسبت ہے جس نے مجھے ہمیشہ حزن وملال اور خوف وہراس سے دور رکھا ہے۔ میرا مجموعۂ کلام پڑھنے والے اس حقیقت کو جابجا محسوس کریں گے۔ اگر یہ خیال درست ہے کہ شاعری انسان کی ذاتی زندگی کی عکاسی کرتی ہے تو میری شاعری بھی اس سچائی کی گواہی دیتی نظر آئے گی۔

یہ زندگی ہر قدم پر ایک نئی تاریکی ظاہر کرتی ہے۔ ظلمات سے بھری ہوئی اس دنیا میں چین وسکون اور امن و اطمینان کے ساتھ زندگی گزارنا ہر انسان کا خواب ہے مگر یہ سب کا مقدر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اندھیروں کو شکست دینے کے لیے انسان کو قرآن مجید کا تحفہ عطا فرمایا ہے۔ ہر آدمی اپنی زندگی کی شب تاریک کو قرآن مجید کے نور سے خوب صورت سحر میں بدل سکتا ہے۔ میں نے اپنے اشعار کے ذریعہ یہی پیغام دینے کی کوشش کی ہے۔ میرے مجموعے کا ایک حصہ بھی اس کام کا حق ادا کر سکا تو میری کتاب کا عنوان 'جائز' کہلانے کا مستحق بن جائے گا۔

میں اپنے والدین، اپنے اساتذہ کرام اور اپنے دینی، علمی اور روحانی رہنماؤں کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ کو قرآن کے قریب رکھا۔ قرآن ہی ہر غم کا مداوا تھا، قرآن ہی ہر پریشانی کا حل ہے، اے کاش یہ سیدھی بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔

اس مجموعۂ کلام کی اشاعت پر میں ان تمام لوگوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کی توجہ نے اس کام کو حسن و خوبی سے انجام دینے میں ہماری مدد کی ہے۔ اس موقع پر عزیزی نسیم فائق کا میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کام کو بہترین شکل میں انجام دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

اسماعیل ظفرؔ

خیر مقدم

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور شعراء، تو اُن کے پیچھے بھکے ہوئے لوگ چلتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں ہیں۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب اُن پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا۔"

(سورۃ الشعراء ۲۲۴ـ۲۲۷)

مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری بذاتِ خود کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں ہے۔ شاعری اگر اسلامی حدود کے اندر ہو تو شاعر اور معاشرہ دونوں کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔ اگر اس میں صداقت، حق شناسی، اظہارِ حق اور بصیرت سے کام لیا جائے تو یہ حکمت اور دانائی کا خزانہ ہے اور اسی لیے شاعری کو "جزاست از پیغمبری" بھی کہا گیا ہے لیکن ایسے لوگ جن کے قول و عمل میں تضاد ہو اور صدق و کذب میں تمیز نہ کر سکتے ہوں تو اُن کی شاعری گم راہ کن ہو سکتی ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ قاری محمد اسماعیل ظفر کی شاعری کا بیش تر سرمایہ اُن مکروہات سے پاک ہے جو شاعر کو گم راہی کے راستے پر ڈال دیتے ہیں اور اس طرح نظر اعتبار سے گرا دیتے ہیں۔ صداقت، طہارت، حق گوئی، خود شناسی اور خدا شناسی اُن کے اشعار کی خصوصیات ہیں جو شاعری کو تاثر و تحیر اور حسن و جمال سے ہم کنار کرتی ہیں۔ تصدیق کے لیے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

خدائے اکرم و ارحم کا مجھ پہ احساں ہے
ظفرؔ کو جس نے نبیؐ سے ملا دیا لوگو!

سرکارؐ کی سرکار تھی، ہے اور رہے گی
قرآں کا ہے اعلان، ظفرؔ کو بھی یقیں ہے

وطن کے پھول غریبوں کے گھر میں کھلتے ہیں
حویلیوں میں تو کانٹے اُگائے جاتے ہیں

تہذیبِ نو کی کیسے ہر اک بات مان لوں
اس کا کلام کیا کوئی رب کا کلام ہے

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

جہاں میں موت ہے سستی، حیات مہنگی ہے
جو لے کے سر کو ہتھیلی پہ چل سکو تو چلو

یہ چند اشعار ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں۔ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، خود انتخاب کر کے میرے معروضات کی تصدیق کریں۔

میں قاری صاحب کے اس پہلے شعری مجموعے کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اگر انہوں نے اسی طرح شاعری کے سفر کو جاری رکھا اور مشاہدہ و مطالعہ کو رہ نما بنا کر سنبھل سنبھل کر قدم آگے بڑھاتے رہے تو اُن کے مزید روشن امکانات کی پیش قیاسی کی جاسکتی ہے اور توقع رکھی جاسکتی ہے کہ آئندہ خوب سے خوب تر اشعار ہمارے ذہن و دماغ کو سرشار کریں گے۔

علقمہ شبلی

۲۳ر اکتوبر ۲۰۱۳ء

قاری صاحب کی شاعری پر ایک نظر

قاری محمد اسماعیل ظفرؔ صاحب کے سلسلے میں میرا سب سے پہلا تاثر یہ ہے کہ اُن کی زندگی کا بیش تر حصہ فروغِ تعلیم اور اشاعتِ دین کے کاموں پر صرف ہوا ہے اور اسی اعتبار سے ان کی کارگزاریوں کا شہرہ دینی و تعلیمی حلقوں میں خاصا رہا ہے، مگر قاری صاحب کی ادبی سرگرمیوں کو، اُن کی عملی زندگی کی ترجیحات میں، شاید ہمیشہ ثانوی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قاری صاحب کبرسِنی کی سرحد کے قریب پہنچ کر اپنے اوّلین شعری مجموعے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

میرے سامنے موصوف کا پورا مسودہ تو نہیں، البتہ ایک سو کے قریب منتخب اشعار ضرور ہیں، جن میں حمدیہ، نعتیہ، دعائیہ اور غزلیہ کلام کے نمونے شامل ہیں۔ اُن پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ قاری صاحب مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کرتے رہے ہیں، لیکن اُن کے ذوقِ سخن نے جس صنف کو اوّلیت کا درجہ دے رکھا ہے، وہ ہے غزل، جس کے اشعار کی تعداد اُن کے ارسال کردہ منتخب کلام میں سب سے زیادہ ہے۔

بنیادی طور پر عشقیہ صنفِ سخن ہونے کے باوجود، غزل نے اپنے طویل سفر میں ہر دور کے تغیر و تبدل پر نظر رکھی ہے اور کسی دور کے تلخ و شیریں کا مزہ چکھنے سے کبھی گریز نہیں کیا ہے۔

چنانچہ عصرِ حاضر تک پہنچتے پہنچتے غزل کے دامن میں فکر، تخیل، احساس اور موضوع کے اعتبار سے پوری کائنات کی سی وسعت پیدا ہوگئی ہے۔ اب ہر شاعر ”فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست“ کے مطابق غزل کی اس کشادہ دامنی کا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اسی نوع کے شاعروں میں ہمارے قاری محمد اسماعیل ظفر صاحب بھی ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ وہ موضوعات کی حد تک غزل کی وسعت کا فائدہ تو اٹھاتے ہیں، لیکن اس نازک صنفِ سخن کی بنیادی خصوصیات کو بالعموم نظرانداز نہیں کرتے۔ انہوں نے عصری زندگی کے درد و داغ کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے دینی مزاج اور ملک و ملت سے اپنی محبت کا اظہار بھی اپنی غزلوں میں کیا ہے اور جابجا کیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ جوش میں آ کر نعتیہ اشعار بھی اپنی غزلوں میں بلاجھجک ڈال دیے ہیں۔ بطور نمونہ ایک خاص نوع کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

نچوڑنا ہے لہو تم کو جسمِ فاسد سے
کسی رسول کا اب انتظار مت کرنا

رہِ حیات میں کوئی اگر چٹان ملے
کلامِ پاک سے رُک کر کلام کر لینا

اے دخترانِ قوم! تقاضا ہے وقت کا
پیدا حسینؓ، حیدرؓ و عثمانؓ کیجیے

ہر ماں اب اپنے لال کو درسِ حسینؓ دے
کب تک کٹے گی عمر یہاں بے بسی کے ساتھ

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

ہر اک صدی میں تو بھیجے ہیں تو نے اہلِ نظر
صدی اکیس میں بھی تو کوئی قلندر لکھ

اُحد کی جیتی ہوئی جنگ ہاری جاتی ہے
قدم خلافِ نبیؐ جب اٹھائے جاتے ہیں

غلط باتوں کی قرآں میں طرف داری نہیں ہوتی
کہ جیسے برف کے سینے میں چنگاری نہیں ہوتی

ہم اہلِ نظر محرمِ اسرار نہاں ہیں
سر اپنا ہر اک در پہ جھکایا نہیں کرتے

جو غیرتوں کی رِدا منہ پر ڈھانپے رہتا ہے
کبھی وہ بندۂ اہلِ جہاں نہیں ہوتا

فیصلہ ابلیس و آدمؑ کا اسی بابت ہوا
سرکشی اِس کو تو اُس کو عاجزی اچھی لگی

اسی دعا میں ہے اسرارِ انقلابِ جہاں
خدایا! مال دے، سرمایہ دار مت کرنا

نہ منصب دار ہوجائے، نہ گوہر بار ہو جائے
ہماری نسل یارب! صاحبِ کردار ہو جائے

جسے ہو آرزو اُلفت کے نغمے مل کے سب گائیں
تو وہ اہلِ مدینہ کی طرح انصار ہو جائے

مختلف غزلوں کے یہ اشعار ایک خاص نوعیت کے ہیں اور تمام کے تمام ایک ایسے ذہن کی پیداوار ہیں جس میں اسلامیات اور اعلیٰ انسانی قدروں سے محبت کی روشنی بھری ہوئی ہے۔ اسی روشنی میں قاری صاحب اپنے گردو پیش، اپنے معاشرہ اور اپنے دور کے مظالم و مسائل کا جائزہ لیتے رہتے ہیں اور جب انہیں اپنی ملت کا درد بے چین کر دیتا ہے تو وہ اپنے دل کا کرب اس قبیل کے اشعار میں پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے خود ایک شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

ظفؔر کے دل میں ہے جو کرب یارو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

قاری صاحب کا یہی لہجہ جب طنز اختیار کرتا ہے تو کیا صورت و کیفیت ہوتی ہے، اس کی کچھ مثالیں دیکھ لیجیے:

جس کو دعویٰ ہے دیش بھگتی کا
بس اُسی پر کڑی نظر رکھیے

یہ وطن ہی کے کام آئے گا
آپ محفوظ میرا سر رکھیے

یہ عہدِ نو کی رائے ملوں سب سے ٹوٹ کر
ماضی کا مشورہ ہے کہ ہشیار کی طرح

وہ چاہے جو بھی کریں، میں اگر کروں تو گناہ
جنابِ شیخ کو کیا خوفِ احتساب نہیں

وہی طبیب جو کہتا ہے حال اچھا ہے
چھپا کے منہ وہی آنسو بہائے کیا معنی

تم جو چاہو کہ تمہیں لوگ محقق سمجھیں
ہیرؔ کو رانجھاؔ تو یوسفؔ کو لیخناؔ لکھنا

اس دورِ ترقی کا بس اتنا فسانہ ہے
جو حق کو کہے باطل، وہ آج کا دانا ہے

قاری محمد اسماعیل ظفؔر صاحب اپنی وضع قطع سے بھلے ہی "زاہدِ خشک" نظر آتے ہوں، لیکن درحقیقت ان کے سینے میں بھی وہی عاشق کا دل موجود ہے جس کی دھڑکنیں عام طور سے غزلیہ شاعری میں سنائی دیتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

سلوٹیں ریشمی چادر کی یہی کہتی ہیں
تیرا بیمار تری یاد میں تڑپا ہوگا

میری بربادی پہ روئی ساری دنیا پھوٹ کر
وہ تھا کیوں محوِ نظارا، یہ کہانی پھر کبھی

حالِ دلِ خوں گشتہ بھلا پوچھتے کیا ہو
کیا تم نے تمناؤں کا مقتل نہیں دیکھا

وہ شخص محفلوں میں جو باغ و بہار تھا
دیکھا جو دل میں جھانک کے، بکھرا لگا مجھے

قاری صاحب نے اپنے سابقین کا کم اور اپنے معاصرین میں سے بعض کا زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ ان میں بطورِ خاص منور رانا کی لفظیات اور اندازِ بیان کی نشان دہی کی جا سکتی ہے:

وقت جو بدلے تو شجرہ نہیں بدلا جاتا
جیسے جگنو سے اندھیرا نہیں بدلا جاتا

جنگ لازم ہے اندھیروں کو کچلنے کے لیے
رات کے خوف سے کمرہ نہیں بدلا جاتا

لگتا ہے کہ وہ شخص مجھے بھول گیا ہے
مدت ہوئی چھپّر پہ کبوتر نہیں دیکھا

بہر کیف ایسے شیڈس (Shades) بہت کم ہیں۔ قاری صاحب کے کلام میں ان کے اپنے لب ولہجہ کی نرمی اور گرمی قریب قریب ہر جگہ محسوس کی جا سکتی ہے۔ مجموعی طور پر ان کی شاعری دورِ حاضر کی ایسی شاعری ہے جس میں زندگی کے درد و داغ کے ساتھ ساتھ روشنی کی کچھ لکیریں بھی موجود ہیں۔

قیصر شمیم

شیب پور، ہوڑہ (مغربی بنگال)

تاثرات

حافظ قاری محمد اسماعیل ظفرؔ صاحب کی شخصیت دینی اور علمی حلقے میں محتاجِ تعارف نہیں۔ وہ خود ایک اچھے مقرر، مبلغ دین اور ایک فعال سماجی کارکن ہیں ہی، ان کے ساتھ ساتھ ان کے صاحب زادگان بھی آسمان علم و ادب کے ماہ و انجم اور بڑے صاحب زادے مہر درخشاں ہیں جن کی ضیاپاشیوں سے سرزمین بنگالہ منور ہے۔ بڑے صاحب زادے ڈاکٹر مولانا صباح اسماعیل ندوی (علیگ) نہ صرف حافظ و قاری اور عالم دین ہیں بلکہ مفسر قرآن بھی۔ ان کے علمی اور دینی مضامین ملک کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے ”بنگال میں عربی زبان و ادب کا ارتقا“ کے عنوان پر تحقیقی مقالہ لکھ کر لکھنؤ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے جو اہلِ بنگالہ کے لیے باعثِ فخر ہے۔ دوسرے صاحب زادے باسط اسماعیل ایک انگریزی ہفتہ وار ”دی ایسٹرن پوسٹ“ کے ایڈیٹر ہیں۔ باسط اسماعیل اور ان کے رفقائے کار نے یہ انگریزی اخبار نکال کر نہ صرف وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے بلکہ قوم و ملت کی ایک گراں قدر خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ بلاشبہ قابلِ ستائش ہے۔ ان کے ایک اور صاحب زادے یاسر اسماعیل ایل۔ ایل۔ بی ہیں اور ان دنوں اسلامی فقہ پر تحقیقی کام کر رہے ہیں نیز ”دی

ایسٹرن پوسٹ'' سے بھی منسلک ہیں۔غرض پورا خاندان نور علیٰ نور ہے یا باالفاظِ دگر ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ اصلاحِ معاشرہ اور تعلیم کے فروغ کے لیے بھی قاری اسماعیل اور ان کے صاحب زادگان ناقابلِ فراموش خدمات انجام دے رہے ہیں۔قاری اسماعیل نے باب العلوم قائم کیا تھا۔ان کے صاحب زادے ڈاکٹر مولانا صباح اسماعیل نے عربی تعلیم کے لیے اس میں مزید شعبہ جات قائم کر کے باپ کا نام روشن کیا۔اس کے علاوہ دینی اور عصری تعلیم سے بچوں کو مزین اور آراستہ کرنے نیز دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے قوم کے بچے اور بچیوں کا مستقبل سنوارنے کے لیے ''جبریل انٹرنیشنل اسکول'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ مختصر مدت میں اس کی کئی شاخیں کلکتہ میں قائم ہو گئی ہیں۔اس طرح یہ لوگ قوم وملت کی جو بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

قاری اسماعیل صاحب سے میری شناسائی کی مدت نصف صدی سے بھی زائد پر محیط ہے۔ ۱۹۵۴ء میں جب میں پریسیڈنسی مسلم ہائی اسکول میں نویں جماعت کا طالب علم تھا اور ساتھ ہی مدرسہ عظمتیہ میں استاد محترم قاری عبدالقوی صاحب مرحوم کے پاس قرآن مجید دوبارہ یاد کر رہا تھا، اس وقت اسماعیل صاحب بھی مدرسہ عظمتیہ میں حفظ کر رہے تھے۔ اسی وقت سے ہم لوگوں کی دوستی شروع ہوئی جو بحمد اللہ اب تک قائم ہے۔ میں نے ان کو ہر رنگ میں دیکھا ہے اور بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ان کے دل میں ہمیشہ قوم و ملت کی خدمت کا جذبہ موجزن رہا ہے۔ اپنی قوم کی زبوں حالی پر ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے اور وہ قوم کی اصلاح کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ یہ احساسات ان کی تخلیقات بالخصوص ان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔ان کی شاعرانہ صلاحیت عرصۂ دراز تک لوگوں کی نظر سے مخفی رہی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قاری اسماعیل ظفر صاحب نہ تو مشاعروں میں شرکت کرتے اور اپنا کلام سناتے، نہ ہی رسائل وجرائد میں اپنا کلام اشاعت کے لیے بھیجتے۔وہ جب بھی میرے

گھر آتے اپنا تازہ کلام مجھے ضرور سناتے اور میں ان سے اصرار کرتا کہ اسے چھپوائیے تا کہ لوگ ان سے استفادہ کریں کیوں کہ آپ کی غزلیں صرف محظوظ ہونے کے لیے نہیں بلکہ مستفید ہونے کے لیے بھی ہے۔ یہ قوم کے لیے ایک آئینہ کا کام کرے گا۔ بہر حال اللہ کے فضل و کرم سے اب ان کا شعری مجموعہ جلد ہی منظرِ عام پر آ رہا ہے۔

قاری اسماعیل ظفر بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ غزل کو ''حدیثِ زنان گفتن'' کہتے ہیں۔شمس قیس رازی نے ''المعجم فی معاییر اشعار العجم'' میں لکھا ہے:

''غزل نعت دختران و حدیث ایشان است و مغازلت عشق بازی
با زنان است و گویند رجل غزل یعنی مرد عشق باز... این
جهت شرع عاشق و صفات جمال معشوق را غزل خوانند''

ترجمہ: غزل لڑکیوں کی تعریف اور ان کی باتیں ہیں اور مغازلت عورتوں کے ساتھ عشق بازی ہے۔ کہا جاتا ہے رجل غزل یعنی عشق باز شخص...اور اس اعتبار سے شرح احوال عاشق اور صفات جمال معشوق کو غزل کہتے ہیں۔

اگر قاری اسماعیل ظفر کی غزلوں کو اس معیار پر پرکھیں تو پوری نہیں اتریں گی کیوں کہ فارسی اور اردو کے شعرا اپنی غزلوں میں زلف ولب ورخسار کی مدحت سرائی اور حسن وعشق کی داستان ہی بیان کرتے آئے ہیں لیکن انیسویں صدی میں غالب اور بیسویں صدی میں اقبال نے اس سے انحراف کیا۔ غالب نے غزل کے مضامین کو وسعت دے کر اس میں حسن وعشق کی داستان کے ساتھ ساتھ فلسفہ اور تصوف کے مسائل کو بھی شامل کر دیا۔اقبال نے فارسی اور اردو نظموں کے علاوہ غزلوں کو ایک خاص مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ اقبال نے صاف لفظوں میں کہا:

نغمہ کجا و من کجا، سازِ سخن بہانہ ایست
سویِ قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

اقبال کی طرح قاری اسماعیل ظفرؔ نے بھی ایک خاص مقصد کے تحت فنِ شاعری کو اپنایا ہے اور وہ مقصد ہے اصلاح معاشرہ۔ دونوں کو مقصد عزیز ہے شاعر کہلانے کا شوق نہیں۔ اقبال شاہ اممؐ سے فریاد کرتے ہیں کہ لوگ انہیں غزل خواں سمجھتے ہیں:

من اے شاہ امم داد از تو خواہم
مرا یاران غزل خوانے شمردند

وہ مزید کہتے ہیں کہ لوگ ان سے حدیث دلبری اور سوز و ساز شاعری کے طالب ہیں لیکن ان کے دل میں جو تڑپ اور بیتابی ہے اسے نہیں دیکھتے۔ پیام مشرق میں کہتے ہیں:

او حدیث دلبری خواہد زمن
سوز و ساز شاعری خواہد زمن

بے خبر بے تابئ جانم ندید
آشکارم دید و پنہانم ندید

ظفرؔ کا دل بھی قوم کے درد میں بیتاب ہے، ان کی زبوں حالی اور پستی کو دیکھ کر ان کا دل تڑپ رہا ہے۔ بظاہر لوگ ان سے بھی ’حدیثِ دلبری‘ اور ’سوز و ساز شاعری‘ ہی کے خواہاں ہیں لیکن یقین ہے کہ انہیں مایوسی ہوگی اسی لیے شاعر غزل سنانے سے بھی پرہیز کرتا ہے کہ کہیں بھید نہ کھل جائے وہ کہتا ہے:

دیکھ مت کہنا ظفرؔ سے وہ پڑھے اپنی غزل
بھید کھل جائے گا سارا، یہ کہانی پھر کبھی

اقبال نے بھی کہا تھا:

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ مے خانہ

دوسری جگہ ظفر صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ میری غزل میں میرے دل کے درد و

کرب کی عکاسی ہے:

ظفرؔ کے دل میں ہے جو کرب یارو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

اسماعیل ظفرؔ کا کلام حالاتِ حاضرہ کا آئینہ ہے۔ ہمارے گرد و پیش جو کچھ ہو رہا ہے اسی کا عکس ہم ظفرؔ کے کلام میں دیکھتے ہیں۔ آج ہر طرف نفرتوں کا بولا بالا ہے۔ شاعر اس سے نالاں ہے اور انتہائی درد کے ساتھ ملتجی ہے:

نفرتوں کی سبھی دیوار گرا کر مولیٰ
ان ہی ملبوں سے کوئی پیار کا رستہ دے دے

آج دیش بھگتی کا لبادہ اوڑھ کر کچھ لوگ جس طرح فرقہ پرستی کا کھیل کھیل رہے ہیں اور قانون کے محافظوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ شاعر قانون کے محافظوں کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے کہتا ہے:

جس کو دعویٰ ہے دیش بھگتی کا
بس اُسی پر کڑی نظر رکھئے

اس شعر میں جو لطیف طنز ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر دو اشعار اور ملاحظہ فرمائیے:

مقتول کے چہرے پہ جو مسکان ہوا تو
دریا نہیں، کشتی میں بھی طوفان ہوا تو
کچھ عقل کے اندھوں کی حمایت کی وجہ سے
کشمیر جو گلزار ہے، شمشان ہوا تو

قاری اسماعیل ظفرؔ ایک مجاہد ہیں اور جدو جہد کے شاعر۔ ان کے کلام میں یاسیت اور قنوطیت نہیں بلکہ رجائیت کا پہلو نمایاں ہے۔ ان کے دل میں درد و کرب ضرور ہے لیکن وہ رنج والم سے لرزاں نہیں بلکہ ایک سچے مسلمان کی طرح اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ

رنج و الم عارضی ہیں اس لیے ان سے لرزاں و ترساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ بیانگِ دہل کہتے ہیں:

رنج و الم کے بوجھ سے لرزاں نہ ہو ظفرؔ
ہر چیز عارضی ہے، کوئی جاوداں نہیں

اسی طرح آج جب کہ ہماری قوم اغیار کے ستم کا ماتم کرنے اور بے کس و مجبور کی طرح اپنی مظلومی کا صرف شکوہ ہی کرنے میں مصروف ہے، شاعر قوم کو للکارتے ہوئے انہیں مجاہدانہ شان سے جینے کا سبق سکھاتا ہے:

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

ان کو اس بات کا بھی دکھ ہے کہ ان کی نسل صاحبِ کردار نہیں ہے۔ انسان خواہ کتنے ہی بڑے عہدے کو پہنچ جائے یا ترقی کی کتنی ہی منزلیں طے کرلے اگر اس میں کردار کی بلندی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اس لیے شاعر خدا سے انتہائی دکھ کے ساتھ دعا کرتا ہے:

نہ منصب دار ہوجائے، نہ گوہر بار ہو جائے
ہماری نسل یارب! صاحبِ کردار ہو جائے

ظفرؔ کے کلام میں عصر حاضر پر جابجا خوب صورت طنز بھی ملتا ہے جس نے ان کے کلام کی وقعت اور معنویت میں اضافہ کردیا ہے۔ مثال کے طور پر:

اس دورِ ترقی کا بس اتنا ہی فسانہ ہے
جو حق کو کہے باطل، وہ آج کا دانا ہے

یا پھر تحقیق کے میدان میں آج کے محقق تحقیق کے نام پر جو گل کھلا رہے ہیں اس پر طنز کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

تم جو چاہو کہ تمھیں لوگ محقق سمجھیں
ہیرؔ کو رانجھا تو یوسفؔ کو زلیخاؔ لکھنا

آج ہمارے سماج میں حال یہ ہے کہ ایک بچی کو جنم لینے سے پہلے عالم بالا میں پہنچا دیا جاتا ہے اور دوسری طرف عورتوں کے حقوق کے لیے بڑے بڑے جلسے اور لمبی لمبی تقریریں ہوتی ہیں۔ اس پر شاعر کہتا ہے:

اک سمت ہے خیال کہ عورت جنم نہ لے
اک سمت اس کی فکر کہ حق تلفیاں نہ ہوں

طنز کی دو مثالیں اور:

وہ چاہے جو بھی کریں، میں اگر کروں تو گناہ
جنابِ شیخ کو کیا خوفِ احتساب نہیں

بھنور سے مجھ کو تو موجیں بچا بھی سکتی ہیں
یہ آدمی ہے، ڈبو کر مجھے مٹا دے گا

قومی حالات کے پیشِ نظر اور وقت کے تقاضا کو سامنے رکھتے ہوئے اسماعیل ظفرؔ نے قوم کی بیٹیوں اور ماؤں سے جو مطالبہ کیا ہے وہ صرف قابل عمل ہی نہیں قابلِ ستائش ہے۔ ملاحظہ ہو:

اے دخترانِ قوم تقاضا ہے وقت کا
پیدا حسین و حیدر و عثمان کیجیے

یا پھر یہ کہ:

ہر ماں اب اپنے لال کو درسِ حسینؓ دے
کب تک کٹے گی عمر یہاں بے بسی کے ساتھ

قاری صاحب کے کلام میں سلاست اور روانی تو ہے ہی، ساتھ ہی ساتھ ان کا کلام صنائع و بدائع سے بھی مزین ہے جن کی وجہ سے کلام کی فنی خوبیوں میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ چند مثالیں:

صنعتِ تضاد:

اربابِ امارت کو مبارک ہو امیری
میرے لیے طیبہ کی فقیری ہی بھلی ہے

مراعات النظیر :

فلک کو جس گھڑی آتا ہے غصہ
ہوا، طوفان، دریا بولتا ہے

ایک اور مثال:

کھیت پٹائے، دانے ڈالے، ہل بھی چلائے، دیکھے بھالے
ظاہر میں دہقاں کرتا ہے لیکن فصل اُگاتا ہے تو

قاری اسماعیل ظفؔر صاحب کی قرآن اور تاریخ اسلام پر گہری نظر ہے، اسی لیے قرآن میں مذکور اور تاریخ اسلام میں مسطور واقعات کو انھوں نے اپنے کلام میں بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے جب فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ پر سانپ چھوڑے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے عصا کو اژدہا بنا کر ان تمام سانپوں کا صفایا کر دیا۔ قاری صاحب نے ایک شعر میں اس واقعہ کو اس طرح سمیٹا ہے:

تلمیح:

قصرِ فرعون میں پھر بزم سجی ناگوں کی
کاش! موسیٰ کی طرح کوئی سپیرا دے دے

جنگِ احد میں اللہ کے نبی ﷺ نے کچھ صحابیوں کو جو تیر انداز تھے، احد کی پہاڑی پر چڑھ کر دشمنوں پر نظر رکھنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جب تک میں نہ حکم دوں آپ لوگ نیچے نہ اتریں، لیکن جب دشمن پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے اور مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ وہ جنگ جیت گئے تو

تیر انداز صحابہ رضی اللہ عنہم پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت سمیٹنے لگے۔ خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکوں کے کمانڈر تھے، موقع غنیمت جانا اور پہاڑ کے پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں مسلمان جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔ اس واقعہ کو قاری صاحب نے مندرجہ ذیل شعر میں نہایت سبق آموز انداز میں پیش کیا ہے۔

تلمیح:

اُحد کی جیتی ہوئی جنگ ہاری جاتی ہے
قدم خلافِ نبیؐ جب اٹھائے جاتے ہیں

الغرض قاری اسماعیل ظفر صاحب کا کلام مسلم قوم کے لیے سبق آموز اور آئینۂ عبرت بھی ہے اور انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا ذریعہ بھی۔ میرے سامنے ان کے مجموعہ کلام کا مسودہ نہیں ہے صرف چند متفرق اشعار ہیں، میں نے ان ہی کی روشنی میں اپنے تاثرات قلم بند کر دیئے ہیں۔ اخیر میں قارئین کرام سے میری گزارش ہے کہ کلام ظفؔر کو روایتی شاعری کے پس منظر میں نہیں بلکہ حالی کی نظم مدوجزر اسلام اور اقبال کی مقصدی شاعری کے تناظر میں مطالعہ کریں تو اس کی صحیح قدر و قیمت متعین کر سکیں گے۔

پروفیسر حافظ محمد طاہر علی
سابق صدر شعبۂ عربی فارسی، اردو و اسلامیات
وشوا بھارتی، شانتی نکیتن

محترم قاری محمد اسماعیل ظفر کی شاعری میں عصری معنویت

شعروشاعری کی دنیا بڑی لطیف، نازک، حساس اور باشعور ہوتی ہے۔ شاعر کی شاعری اگر مقصدیت سے ہم کنار ہو تو اس فن کی مشاطگی سے زلفِ ادب کو نکھار، شعور آگہی کو جلا اور شعری معنویت کو رفعت وتجمل حاصل ہوتا ہے اور اس کی ظاہری اور معنوی خوبیوں کا اثر سامع اور قاری پر براہ راست پڑتا ہے۔

اچھا شاعر وہی ہے جو ماحول کا نبض شناس ہو، جو حالات پر حکیمانہ نظر رکھتا ہو، جو اپنے گردوپیش کو موزوں کرنے کے لیے شعری پیکر کی سوغات رکھتا ہو، جو صرف ردیف وقافیہ میں الجھا نہیں رہتا، بلکہ گل نورس پر بوند شبنم کی چمک سے شعری تنویر حاصل کر لیتا ہے، جس سے روح کو بالیدگی اور مشام جاں کو معطر ہونے کا موقع ملتا ہے۔

جناب قاری اسماعیل ظفر صاحب جو ایک کہنہ مشک قاری، جلیل القدر حافظِ قرآن اور باب العلوم کے روحِ رواں اور کامیاب مربی ہی نہیں بلکہ ایک اچھے سخن پرور اور سخن شناس شاعر بھی ہیں، جن کی شاعری برائے شاعری نہیں بلکہ شاعری طبیعت کا حسن اور تقاضائے فطرت کا جمال ہے، آپ کا تخیل جذبات واحساسات کے نازک چمن زاروں سے جس سبک روی سے محو نظر آتا ہے اس سے بوئے گل کا احساس ہویدا ہوتا ہے اور اس کی خوشبو میں لطافتِ زبان، بلندئ خیال، جدتِ ادا اور قوتِ بیان کے نادر اسالیب کی یکساں آمیزش بڑی آسانی

سے محسوس کی جاسکتی ہے، آپ کی شاعری میں تصوف سے لے کر عشق ومحبت کے موضوع جو درس انسانیت کی معیاری بلندی اور جذبات آفرینی کا عروج ہے وہ موجودہ دور کے لیے چراغِ راہ اور آنے والی نسلوں کے واسطے مشعلِ ہدایت ثابت ہوں گے۔

قاری صاحب ہر طبقۂ فکر میں معروف اور ہر دل عزیز ہیں، اور ہر ایک سے تعلقات برتنے کا گر بھی انہیں آتا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں پہلی دفعہ بنگلہ دیش جاتے ہوئے باب العلوم مولا علی کے چھوٹے سے دفتر میں ان سے ملاقات ہوئی، اس پہلی ملاقات کی خوشبو آج تک محسوس کی جاسکتی ہے، بلکہ وہ کشاں کشاں دم طوف پر آمادہ رکھتی ہے۔

قاری اسماعیل ظفر صاحب بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ ان خوبیوں کا قوسِ قزح ان کی شاعری میں بھی جلوہ گر ہے۔ حمدیہ شاعری میں ان کے کلام کی معنویت کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

بڑا حکیم ہے وہ جس نے اپنی حکمت سے
حقیر قطرے کو گوہر بنا دیا لوگو

دنیا والے جیسا چاہیں، جو بھی چاہیں تجھ کو سمجھیں
لیکن مولا چشمِ ظفرؔ میں پیار کا بہتا دریا ہے تو

نعتیہ شاعری شعرا کی پختہ شاعری کی دلیل ہے۔ نعتیہ شاعری مثل پل صراط ہے، ذرا سی بے اعتنائی شاعر کے لیے قعرِ مذلت کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے، قاری صاحب نے اس زمین میں بھی زرخیز شاعری کی ہے:

دنیا کی نظر میرے گناہوں پہ لگی ہے
اور میری نظر شافعِ محشر پہ جمی ہے

کرتا ہے جو تحقیر محمدؐ اُسے کہہ دو
کیوں دورِ تمدن کا بھرم کھول رہا ہے

غزل کی وادی بڑی پر خطر ہے، دل ٹوٹتا ہے تو غزل ڈھلتی ہے۔ آنکھوں سے مے کی بارش ہوتی ہے تو ساقی کے جام مینا سے غزل کی مے چھلکتی ہے:

بے کسی آئینۂ فکر کو دیتی ہے جلا
ٹوٹ جاتے ہیں ستارے تو غزل ہوتی ہے

اس صنف نازک میں بھی قاری صاحب نے طبع آزمائی کی ہے اور زندگی کے بہت سے معانی کو بڑی خوبیوں سے غزل کے آبگینوں میں پیش کیا ہے، ان کا سمند ناز اس وادی میں تیز گام ہے اور اپنے کلام کی رعنائی سے اس صنف کو لالۂ صحرائی کا پیرہن عطا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

مصیبتوں سے لرز کر نراس مت ہونا
وہ رات کیسی؟ چھپا جس میں آفتاب نہیں

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

عصر حاضر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تم جو چاہو کہ تمھیں لوگ محقق سمجھیں
ہیؔر کو رانجھاؔ تو یوسفؔ کو زلیخا لکھنا

اس دورِ ترقی کا بس اتنا فسانہ ہے
جو حق کو کہے باطل، وہ آج کا دانا ہے

قاری ظفر صاحب کی شاعری کا بانکپن ان کے کلام کے آبگینوں میں جلوہ آرا ہے۔

عصر حاضر پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے خوب کہا ہے:

یہ عہدِ نو کی رائے ملوں سب سے ٹوٹ کر
ماضی کا مشورہ ہے کہ ہشیار کی طرح

چہرے پہ رقم ہیں دل و دنیا کے فسانے
ہر شخص یہاں صبح کا اخبار لگے ہے

ظفؔر صاحب کا تیور یوں بھی بولتا ہے:

فلک کو جس گھڑی آتا ہے غصہ
ہوا، طوفان، دریا بولتا ہے
ظفؔر کے دل میں ہے جو کرب یارو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

ظفر صاحب کی شاعری میں جرأت و دلیری اور حوصلہ کے قوام کا بھی وافر حصہ ہے۔ وہ کہتے ہیں:

جنگ لازم ہے اندھیروں کو کچلنے کے لیے
رات کے خوف سے کمرہ نہیں بدلا جاتا
صاف گوئی میری فطرت کا تقاضا ہے ظفؔر
مجھ سے احساس کا چہرہ نہیں بدلا جاتا

ہمیں امید ہے کہ جناب قاری صاحب کا یہ مجموعۂ کلام ان شاء اللہ اہلِ سخن کے یہاں بے حد مقبول ہوگا اور شعر و شاعری کی بارگاہ میں ایک حسین اضافہ ثابت ہوگا۔

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

استاذ حدیث، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

✵

اسماعیل ظفرؔ: شخص اور شاعر

اسماعیل ظفر گرچہ ایک فرد واحد کا نام ہے لیکن ان کی ذات ایک انجمن، ایک دبستان ہے جس میں دین و دنیا دونوں یک جا ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی سے اردو زبان و ادب کا فاضل اور حافظِ قرآن۔ ایک بہترین قاری، قرأت ایسی کہ کافر بھی مسلمان ہو جائے۔ ایک اعلیٰ پائے کا واعظ و معلم اور سب سے بڑھ کر شانِ بوذری رکھنے والا ایک انسان، جملہ خوبیوں نے انہیں دین و دنیا دونوں میں سرخ رو اور سرفراز کیا ہے۔ قرآن و سنت پہ غیر متزلزل عزم و یقین اور ان کے عملی تقاضوں کی پاس داری، زہد و ورع اور خدمت دین نے انہیں مافوق الفطرت عابد و زاہد اور تارک الدنیا بنا دیا ہے۔ اپنے تمام اعمال میں چاہے وہ دین کے ہوں یا دنیا کے وہ ہماری طرح زمینی انسان بن کر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیاوی اور اخروی دونوں اقسام کے فیوض و برکات انہیں حاصل ہیں۔ دنیاوی اور مادی تصورات کے سیاق میں نیک بیوی ایک جنت ہے۔ صالح، باعمل اور فرماں بردار اولادیں بھی جنت ہیں۔ اسلام اس مادی دنیا کا منکر نہیں بلکہ اس پر تسلط حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ اسلام کے اس بنیادی فلسفے پر یقین و عمل ان کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ شعر و ادب کی محفل ہو یا دین و شریعت کی راہیں دونوں ہی ان کی ذات میں روشن ہیں۔ وہ جہاں بھی ہیں اپنی شناخت رکھتے ہیں:

یک چراغ است در این خانہ کہ از پرتو آں

ہر گجا می نگری انجمنے ساختہ اند

حافظ قاری محمد اسماعیل ظفرؔ کے بارے میں جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ الفاظ کی بازی گری یا زبان و ادب کی ساحری نہیں بلکہ عقیدت و احترام اور محبت و یگانگت کے وہ احساسات ہیں جو پچھلے چالیس سالوں سے راہ و رسم اور قربت و رفاقت کے سائے میں پرورش پاتے رہے ہیں۔ ایک ایسے دورِ ابتلا و انتشار میں جب کہ انسان فطرت خداوندی کا منکر و مشرک ہے، ایک بے لوث رفیق اور دوست کا حاصل کرنا نعمت ایزدی سے کم نہیں ہے:

در ایں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

صراحِی مئے ناب و سفینۂ غزل است

ہم دونوں کی رفاقت و دوستی میں کسی نفس باطل کا دخل نہیں۔ دوری میں بھی قربت ہے۔ کوئی امید، کوئی آرزو، کوئی توقع نہیں اور سچ پوچھئے تو سب کچھ ہے۔ اگر کوئی امید ہے تو ہر امید اخلاص کے راستے سے آئی ہے۔ اگر کوئی تقاضہ ہے تو ہر تقاضہ مصلحتوں کے تابع ہے۔ اگر کوئی توقع ہے تو اس کے مستثنات بھی ہیں۔

ہم دونوں کی رفاقت کی عمر چالیس پینتالیس سال ہے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں رفیقِ درس و تدریس رہے۔ وہ زمانہ علمی و ادبی لحاظ سے نہایت ہنگامہ خیز اور درس و تدریس کے حوالے سے نہایت روشن اور پر امید تھا۔ پرانے شاگردوں میں ان کا احترام ہنوز باقی ہے۔

کلکتہ یونیورسٹی سے ظفرؔ نے اردو زبان و ادب میں ایم — اے کیا۔ دورِ شباب میں فٹ بال کے بہترین کھلاڑی رہ چکے ہیں۔ دینیات اور مذہبیات کے وسیع مطالعہ اور تسخیر نفس کے مجادلہ سے ان کی تمام زندگی عبارت ہے۔ ان کا اظہار تحریر و تقریر، فکر و عمل اور وعظ و نصیحت میں ہوتا رہتا ہے۔ ان کی آواز میں سحر ہے۔ ہندستان گیر طور پر کم اصحاب ہوں گے جو ان کی قرأت کی سحر انگیزی اور جذب و کیف میں ان کے ہم سر ہوں گے۔ ان کی پوری زندگی خدمت خلق اور خدمت دین کی نہایت حوصلہ افزا مثال ہے۔

مدرسہ عالیہ کی مدرسی سے الگ ہو کر وہ اپنے والد محترم کے حکم کے پیش نظر مولا علی مسجد کی

امامت اور ملحق مدرسے میں درس وتدریس سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی امامت میں نماز پڑھنا ایک ذہنی اور روحانی تجدید سے کم نہیں ہے۔ جب کبھی ان کی امامت میں نماز پڑھنے کا موقع ہوتا ہے تو خواہش ہوتی ہے کہ وہ لمبی سورہ لگائیں۔ جب کبھی غریب خانہ پر آنا ہوتا تو راقم کی فرمائش ہوتی ہے کہ اپنی قرآت سے فیض یاب کریں۔ خواہش کبھی پوری ہوتی ہے کبھی رد کردی جاتی ہے۔

ہندستان کے مختلف دینی، اصلاحی وفلاحی اداروں سے ان کی وابستگی ہے۔ دینی اور دنیاوی برکتوں کی فراوانی نے ان میں فخر وغرور نہیں پیدا کی ہے۔ فکر وعمل میں جو انکساری اور اخلاص پہلے تھا وہ ہنوز ہے۔ انسانی تعلقات میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں۔ زندگی اور اعمالِ زندگی کے قلندرانہ انداز نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ شاعر بھی ہیں لیکن غالبؔ کی طرح شاعری ظفرؔ کے لیے باعث عزت وشہرت نہیں۔ غالبؔ کو شکایت کہ انہیں کوئی سخن سنج نہیں ملا۔ ''آپ لکھتے تھے اور آپ اٹھا رکھتے تھے''۔ ظفرؔ کو مجھ جیسا سخن ناشناس میسر ہے۔ سنانے پر آتے ہیں تو رکتے نہیں ہیں۔ بہرحال ان کی شاعری بھی دینی جذبات اور مذہبی محرکات کے وسیلے سے وجود میں آتی ہے۔ شاعری کے تمام تانے بانے دین و مذہب اور تبلیغ واصلاح سے جڑے ہوئے ہیں۔ کچھ مستثنات بھی ہیں لیکن ان میں وہ تاثیر اور کیفیت نہیں جو ''اسلامی شاعری'' میں ہے۔ حمد وثنا اور نعت ومنقبت کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

خدائے اکرم و ارحم کا مجھ پہ احساں ہے
ظفرؔ کو جس نے نبیؐ سے ملا دیا لوگو!

ہزار بات کی اک بات تجھ سے کہتا ہوں
سوائے رب کے کسی پر بھی انحصار نہ کر

ظفرؔ کو کیا پڑی ہے، وہ کرے تقلید غیروں کی
محمدؐ اُس کے ہادی ہیں، مدینہ اُس کا محور ہے

پھر مجھ کو دکھا عہدِ رسالت کا کرشمہ
اے دورِ نویں! فکر میں کیوں ڈوبا ہوا ہے

اسماعیل ظفرؔ کی شاعرانہ کاوشوں کو شعر وادب کے مروجہ اصول پر پرکھنا زیادتی ہوگی۔ شعرائے فکر وفلسفہ کی زحمتوں سے قطعِ نظر اور ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کے فلسفے سے سہوِ نظر کرتے ہوئے یہ کہنا زیادہ احسن ہے کہ ان کی شاعری واردات قلب کی ملی اور اسلامی شاعری ہے۔ ان کی شاعری کا بنیادی فلسفہ اسلام ہے۔ اس کے باوجود ان کا ذہن و وجدان جامد وساکت نہیں ہے۔ حالاتِ زمانہ اور عصری افتادات پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ وقت وحالات کا مشاہدہ ایک مربی اور مصلح کی شکل میں کرتے ہیں:

جس کو دعویٰ ہے دیش بھگتی کا
بس اسی پر کڑی نظر رکھیے

سنا ہے تم نے رئیسوں سے دوستی کی ہے
اب اپنے دفن کا بھی انتظام کر لینا

دہشت پسند فکر ہماری ہے یا نہیں
آزادؔ سے حمیدؔ سے ہندالولی سے پوچھ

جو نام پہ اردو کی دکاں اپنی سجائے
دیکھو تو وہ اردو کا طرف دار لگے ہے

اک حشر سا برپا ہے ملت کے مسائل پر
نیتاؤں کا کہنا ہے، موسم یہ سہانا ہے

ظفر نے شاعری کے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ نظم و غزل، حمد و ثنا، نعت و منقبت پر ان کے اشعار ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر ہیں۔ گرچہ کلّی طور پر خود شاعری بھی ان کے ایوانِ سخن میں دین و مذہب کے دروازے سے آئی ہے اور اس کی حیثیت ادب میں وہی مقام رکھتی ہے جو کیمیائی عمل میں بائی پروڈکٹ (bi-product) کا ہے، یعنی دین و مذہب کے وسیلے سے انہوں نے اردو ادب کی بھی تسخیر کی ہے۔ ظفر کی شاعری لازمۂ حیات یا مقصدِ ادب نہیں بلکہ اس کا مقصد اصلاح و پیغام ہے اور اس میں وہ نہایت مخلص اور کامیاب ہیں۔ غزل کے میدان میں بھی ان کی فکر روایتی اور افتادہ نہیں بلکہ مجتہدانہ ہے:

رنج و الم کے بوجھ سے لرزاں نہ ہو ظفرؔ
ہر چیز عارضی ہے، کوئی جاوداں نہیں

جو ہو سکے تو نئی نسل سے ظفرؔ کہہ دے
یہ کربلا ہے یہاں زندگی سے پیار نہ کر

ظفرؔ کی شاعری کا سارا معاملہ قرآن و سنت اور دین و شریعت سے ہے لیکن حقیقی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے مجاز کی راہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ''مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی بادہ و ساغر کے ذکر کے بغیر نہیں ہوتی۔'' ان کا شاعرانہ تخیل اس کلیّے سے مستثنیٰ نہیں ہے:

جو زخم تو نے دیا تھا، ابھی ہرا ہے وہ
میں تجھ کو بھول گیا، اس کا اعتبار نہ کر

اسماعیل (حافظ قاری) ظفرؔ عاشقِ رسول، مبلغ و مصلح، خادمِ انسانیت اور شاعر دو الگ الگ شخصیتیں ہیں، گرچہ دونوں کا مقصد و منزل ایک ہی ہے۔ ان دو میں سے راقم الحروف کو اگر کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو تو بلا تکلف اوّل الذکر کو ترجیح دے گا۔

نور الہدیٰ کلکتہ

✵

تقریظ

شعری تخلیق بہت ہی پیچیدہ عمل ہے۔ منزل سے ہم کنار ہونے کے لیے عزائم کے دم پھول جاتے ہیں۔ شوقِ سفر کی پنڈلیاں کانپنے لگتی ہیں۔ یہ عمل محض لفظ آرائی اور قافیہ سازی سے مکمل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے تخلیقی مواد کی انفرادی شان بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔

ناظم مدرسہ باب العلوم اور سرپرست جبریل انٹرنیشنل اسکول، قاری اسماعیل ظفر صاحب کا نام شہر کے علمی حلقے میں اجنبی نہیں۔ اُن کا شمار مغربی بنگال کے معتبر لوگوں میں ہوتا ہے۔ ذہن تنظیمی امور سے واقف اور دل مذہبی رواداری کے جذبوں سے لبالب بھرا ہے۔ ادبی مذہبی مطالعے نے ذہنی نشو و نما کو خاص تقویت بخشی ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ قاری صاحب کے فکر و فن کی پہلی منزل ہے۔ اس کے اشعار میں موجودہ عہد کا کرب اپنی فکری جولانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے:

ظفرؔ کے دل میں ہے جو کرب یارو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

اسماعیل ظفؔر صاحب مشرقی تہذیب کے دل دادہ ہیں۔شرافت اور انسان دوستی کا سبق اپنے پرکھوں سے پڑھا ہے۔ اساتذہ کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ اپنی سرشار جوانی کا عرق قطرہ قطرہ نچوڑ کر قوم کے بچوں کی ذہنی استقامت میں لگا دیا ہے۔ آج ضعیفی کے آنگن میں کھڑے ہیں۔ نہ پائے استقلال میں لغزش نہ حوصلے کے ماتھے پر شکن۔ اُن کا کلام دینی، سماجی شعور سے معمور اور گرمیٔ جذبات کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔غزل میں انہوں نے اُن موضوعات کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے جنہیں ظاہری آنکھوں سے دیکھا اور چشم باطن سے مشاہدہ کیا ہے۔

قاری صاحب کی ادبی صلاحیت نے جز وقتی شاعری پر اکتفا نہ کیا ہوتا تو شعری منظر کے گلشن میں اُن کی صالح فکروں نے کچھ اور نت نئے گل کھلائے ہوتے۔فن پارہ کو فن کار کی شخصیت کا آئینہ کہا جاتا ہے۔تفہیم فن کی آرائش کے لیے ظفر صاحب نے بصیرت و آگہی کے سائے میں چلنے کی کوشش کی ہے۔قوی امید ہے کہ ادبی و علمی حلقوں میں اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اربابِ امارت کو مبارک ہو میری
میرے لیے طیبہ کی فقیری ہی بھلی ہے

جنگ لازم ہے اندھیروں کو کچلنے کے لیے
رات کے خوف سے کمرہ نہیں بدلا جاتا

کیسے وہ ظفؔر اشک ترا تول سکے گا
جس نے کبھی روتا ہوا بادل نہیں دیکھا

لگتا ہے کہ وہ شخص مجھے بھول گیا ہے
مدت ہوئی چھپّر پہ کبوتر نہیں دیکھا

ڈاکٹر شبیر ابروی کلکتہ

والدِ محترم کی اصلاحی شاعری

شاعر مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض لوگ کُل وقتی شاعر ہوتے ہیں۔ شاعری ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر وقت ان کے دماغ میں اشعار آتے جاتے رہتے ہیں۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ شاعری برائے شاعری کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک شاعری بندگی کا درجہ رکھتی ہے۔ ان میں سے بعض غزل یا نظم مکمل کیے بغیر سو نہیں سکتے اور بعض لوگ اچانک نیند سے چونک کر بیدار ہو جاتے ہیں اور کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کی زندگی شاعری سے شروع ہو کر شاعری پہ ختم ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو فل ٹائم شاعر کہنا اور سمجھنا کچھ غلط نہیں بلکہ عین انصاف اور مناسب بات ہے۔

شاعروں میں ایک بڑی تعداد ایسی سنجیدہ اور معتدل مزاج شعرا کی ہے جو مکمل شاعر تو ہوتے ہیں مگر شعر و شاعری ان پر اس درجہ حاوی نہیں ہوتی کہ وہ زندگی کے دوسرے کاموں کو خاطر خواہ وقت نہ دے سکیں۔ وہ شاعری کے علاوہ ادب کی دیگر اصناف کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں، پھر دیگر علمی و تحقیقی کاموں کے لیے بھی وقت نکالتے ہیں۔ ساتھ ہی مختلف سماجی، فلاحی اور اصلاحی امور بھی انجام دیتے ہیں۔ بلاشبہ شاعری ایسے لوگوں کے نزدیک انتہائی

اہمیتوں کی حامل تو ہوتی ہے مگر وہ ان کو دیگر ضروری امور کی انجام دہی سے غافل نہیں کرتی۔ اچھے اور بڑے شعرا کی بڑی تعداد ایسے ہی شاعروں کی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

اس کے علاوہ شاعروں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو شاعری تو کرتی ہے مگر ضرورتِ شعری، ان کے یہاں کسی پریشانی یا تکلیف کا نام نہیں ہے۔ یہ لوگ تفنناً شاعری کرتے ہیں اور اکثر بقدر ضرورت کرتے ہیں۔ شعر و ادب ان کے نزدیک ایک ایسی شے ہے جو ان کی زندگی کو خوب صورت بناتی ہے اور وہ کبھی کبھی اظہارِ خیال کے لیے شاعری کو بھی وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ اس قبیل سے تعلق رکھنے والے اکثر شعرا دیگر شاعروں کی طرح اتنی سنجیدہ شاعری نہیں کرتے جتنی عام طور پر دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ زبان و بیان اور پیرایہ و اسلوب کے معاملے میں بھی یہ طبقہ عام طور پر کمزور نظر آتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شعری محاسن سے زیادہ اہم وہ بات ہوتی ہے جو وہ شاعری کے راستے سے دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس طبقہ کے شاعر عموماً جرائد و رسائل میں بھی چھپنے سے گریز کرتے ہیں اور مشاعروں کی دنیا سے بھی خود کو حتی الامکان دور ہی رکھتے ہیں۔ والدِ محترم قاری محمد اسماعیل ظفرؔ صاحب کا شمار اسی طبقۂ شعرا میں ہوتا ہے۔

والد صاحب کی عمر 70 رسال کے قریب ہے اور اب ان کا یہ پہلا شعری مجموعہ منظر عام پر آ رہا ہے۔ بہت سارے لوگ اس کتاب کی اشاعت کے بعد یہ جانیں گے کہ قاری محمد اسماعیل ظفرؔ صاحب محض ایک عالم باعمل، ایک داعی و مبلغ، ایک استاد و مصلح اور ایک مقرر و مدبر نہیں بلکہ شاعر بھی ہیں۔ میں نے سینکڑوں محفل میں ان کو شریک ہوتے دیکھا ہے مگر عالمی رابطہ ادب اسلامی کے ایک مشاعرے کے سوا کسی میں بحیثیت شاعر شرکت کرتے نہیں دیکھا۔ الحمدللہ ان کی شہرت ملک گیر ہے۔ شہرِ کلکتہ کا کوئی قابل ذکر آدمی ایسا نہیں ہے جو نہیں اچھی طرح جانتا پہچانتا نہ ہو مگر معدودے چند کے سوا شاید ہی کسی کو یہ پتہ ہوگا کہ وہ باقاعدہ شاعر بھی ہیں۔

میں یہاں یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ اس مجموعے کی شاعری

میں ہر جگہ ان کے جذبات ومحسوسات حاوی نظر آتے ہیں۔ ان کے دل میں قوم وملت کا جو درد ہے وہ ان کی شاعری سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ 'اصلاح معاشرہ' ان کی زندگی کا اہم ترین مشن ہے اور انھوں نے شاعری کے ذریعہ صلاح واصلاح کا کام انجام دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور ایسا اس لیے بھی ہے کہ خود انھوں نے بھی اپنے آپ کو ایک شاعر محض کے روپ میں کہیں نہیں دیکھا ہے۔ ان کا مجموعۂ کلام گواہ ہے کہ وہ خود کو ایک اچھا مسلمان، ایک نیک انسان، ایک وفادار شہری، ایک مفسر قرآن، ایک ناصح ومصلح اور شرافت وانسانیت کا ترجمان پہلے سمجھتے ہیں اور شاعر بعد میں۔ مجھے یقین ہے کہ والد صاحب کی شاعری کی عمر میری عمر سے بہت زیادہ ہوگی لیکن اب اتنے دنوں کے بعد اور متعدد احباب کے انتہائی اصرار کے بعد ان کا مجموعہ اشاعت کے مرحلے سے گزرنے جا رہا ہے، یہ خود اس بات کا اعلان ہے کہ ان کی زندگی کی ساری اہم اشیاء کی فہرست تیار کی جائے تو شاعری نیچے اور پیچھے سے پہلے نمبر پر نظر آتی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے، تو ایسا شاید اس لیے بھی ہے کہ قرآن نے شعرا اور شاعری کی نکیر تو نہیں کی مگر اس کی ایسی پذیرائی بھی نہیں کی کہ انسان دیگر ضروری کاموں کو چھوڑ کر ان کو فوقیت واولیت دے بیٹھے۔ 'ضرورت شعری' کبھی کبھی انسان کو ناپسندیدہ راہوں اور باتوں کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ اچھی، معیاری اور ڈھیر ساری شاعری کی کوششیں بسا اوقات آدمی کو غیر محمود پگڈنڈیوں پہ دوڑا دیتی ہے اور عام طور پر شعرا گمراہوں اور گمراہیوں کے پیچھے سرپٹ دوڑ پڑتے ہیں اور ایسی باتیں بولتے پھرتے ہیں جن کا حقائق سے دور کا رشتہ نہیں ہوتا۔ اگر ایمان اور عمل صالح کی نکیل انسان کو نہ روکے تو اس کو جہنم کی گہرائیوں میں لڑھک جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ 'فرمانِ الٰہی' کے مطابق شاعری ہر کس وناکس کا کھیل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی علم وفہم رکھنے والے لوگ اس صحرا کی بادہ پیمائی کا ارادہ بہت دیر میں کر پاتے ہیں اور جب قدم پھونک کر آگے بڑھتے ہیں تو ان کی رفتار دوسروں کے مقابلے بہت سست ہوتی ہے۔

شاعری فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسے شعرا موجود ہیں جنہوں نے اپنے فکر وفن سے اسلام اور انسانیت کی خاطر خواہ خدمت انجام دی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک فرض کفایہ ہے۔ حالیؔ واقبالؔ اور اکبر وحفیظؔ کی طرح کچھ شاعروں کی ضرورت بہر حال قوم مسلم کو ہر دور میں رہی ہے اور رہے گی۔ اسی لیے وہ لوگ جو عمدہ شعری ذوق رکھتے ہیں اور شعر گوئی کی صلاحیت من جانب اللہ ان کو ودیعت کی گئی ہے، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس میدان کو ایمان وعمل سے محروم افراد کے لیے خالی نہ چھوڑیں بلکہ ادب کے اس اہم اور خوب صورت راستے سے خدمت اسلام کے لیے ضرور آگے آئیں۔

الحمدللہ والد محترم نے نہ صرف یہ کہ شاعری کی ہے بلکہ عمدہ شاعری کا ایک خوب صورت اور مثالی نمونہ بھی پیش کیا ہے، اور اپنی شاعری کے ذریعہ قوم وملت کو وہ پیغام دیا ہے جس پر عمل کر کے راستے کی تاریکیوں کو اجالے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر مولانا صباح اسماعیل ندوی علیگ

حمد باریِ تعالیٰ

جگ میں چاہے جو بھی جو ہو، لیکن جگ کا اللہ ہے تو
ارض و سما کی ساری خلقت تیری چاکر، مولا ہے تو

پیر، پیمبر، راہب، گیانی، سنت گرو، یا پنڈت، صوفی
یہ سب تو ہیں لاکھوں کروڑوں لیکن داتا، یکتا ہے تو

کھیت پٹائے، دانے ڈالے، ہل بھی چلائے، دیکھے بھالے
ظاہر میں دہقاں کرتا ہے لیکن فصل اُگاتا ہے تو

پھولوں پھلوں، غنچوں کلیوں کے نازو ادا کی شان ہے تجھ سے
سارے گلشن کی رگ رگ میں رہتا ہے تو، بستا ہے تو

من کی باتیں ساری خلقت تجھ سے ہی کہتی سنتی ہے
دنیا ٹھہری، بہری، بے حس لیکن سب کی سنتا ہے تو

سب سے بڑا خودسر عاصی میں پھر بھی مجھ پر پیار کی بارش
یہ تو اعلیٰ ظرف ہے تیرا، نظرِ عنایت کرتا ہے تو

دولت، ثروت، عہدے، منصب سب تیری ہی بخشش ہیں
جس کو چاہے تو دیتا ہے، چھِن بھی سب کچھ لیتا ہے تو

عزت، شہرت، ملکِ سلیماں، حور و جنت، کوثر و غلماں
یہ سب تو ہیں اور کے سپنے، میرا سپنا مولا ہے تو

دُنیا والے جیسا چاہیں، جو بھی چاہیں تجھ کو سمجھیں
لیکن مولا چشمِ ظفرؔ میں، پیار کا بہتا دریا ہے تو

سبھوں کو چھوڑ کے جب رب سے جا ملا لوگو!
میں بوند تھا، وہ سمندر بنا گیا لوگو!

بڑا حکیم ہے وہ جس نے اپنی حکمت سے
حقیر قطرے کو گوہر بنا دیا لوگو!

اک اپنے آگے جھکا کر جہاں کی نظروں میں
ذلیل ہونے سے اُس نے بچا لیا لوگو!

ندی یا دریا، سمندر نہیں، کچھ اور ہے وہ
میں اُس کو چھوڑ کے پھر کس سے مانگتا لوگو!

اُسی کے پاس چلو چل کے ہاتھ پھیلائیں
ہے جس کا کام فقط فیض بانٹنا لوگو!

مرے گناہ کو نیکی سے وہ بدل دے گا
ہے اُس کی بخشش و رحمت پہ آسرا لوگو!

میں ڈھونڈتا تھا جسے مسجد و کلیسا میں
وہ میرے دل کے ہی نزدیک مل گیا لوگو!

خدائے اکرم و ارحم کا مجھ پہ احساں ہے
ظفرؔ کو جس نے نبیؐ سے ملا دیا لوگو!

مناجات

میری دعا نہیں ہے کہ مال و منال دے
مولا! تو میری نسل کو لیکن سنبھال دے

بزمِ سخن میں مجھ کو بھی روشن چراغ سا
جو روشنی لٹائے وہ حسنِ مقال دے

بوبکرؓ کی نگاہ تو فاروقؓ کا جگر
عثمانؓ کی حیا تو علیؓ کا جلال دے

جس کی کسک سمیٹے رہے تیری چاہ کو
مولا تُو عشق ایسا مجھے لازوال دے

کب تک صدا پگھلتی رہے برف کی طرح
اب تو مری پکار کو روحِ بلالؓ دے

فرعون سر اٹھا کے اکڑنے لگے ہیں پھر
دریائے نیل میں انہیں دوبارا ڈال دے

اپنے ظفرؔ پہ بارشِ انوار کر دے یا
اب اُس کی حسرتوں کا جنازہ نکال دے

میرے مالک! مجھے خوشیوں کا خزانہ دے دے
رات کی گود میں پونم کا بسیرا دے دے

تیری رحمت مرے عصیاں پہ مچل جائے گی
میرے ماتھے پہ ندامت کا پسینہ دے دے

میں جدھر ڈالوں نظر تو ہی دکھائی دے مجھے
اور نظارے کا بھی آنکھوں کو سلیقہ دے دے

کب تلک منبر و محراب میں ڈھونڈوں تجھ کو
تو مری باؤلی کشتی کو جزیرہ دے دے

زد میں ہے گرم ہواؤں کی اب احساس مرا
تپتے صحرا میں کوئی ابر کا خیمہ دے دے

قصرِ فرعون میں پھر بزم سجی ناگوں کی
کاش! موسیٰ کی طرح کوئی سپنیرا دے دے

تُو نے زمزم سے ریگستاں کو سجایا ہے جب
اندھے کنوئیں کو بھی اک برف کا ٹکڑا دے دے

نفرتوں کی سبھی دیوار گرا کر مولا!
ان ہی ملبوں سے کوئی پیار کا رستہ دے دے

میں بہت ٹوٹ چکا، پاس بلا لے مجھ کو
یا مرے عزم کو تو اوجِ ثریا دے دے

کچھ بھی دے یا کہ نہ دے اپنے ظفرؔ کو، لیکن
خوف سے اپنے، اُسے رات کا رونا دے دے

نعت رسولِ کریم ﷺ

دو عالم پر جو رحمت بن کے برسے، وہ گھٹا تم ہو
جو رشکِ ماہ و انجم ہے وہ تابندہ ضیا تم ہو

خلیل اللہ، روح اللہ تو کوئی ہے کلیم اللہ
نبی سب مقتدی، لیکن امام الانبیا تم ہو

بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی جس ذاتِ اکمل کی
کلام اللہ کا فرمان ہے وہ پیشوا تم ہو

نہ لے جو ایک بھی قطرہ، مگر اوروں کو دریا دے
زمیں کی کوکھ کہتی ہے وہ بحرِ بے بہا تم ہو

چلے تھے جو عمر لینے کو سر، کہتے ہیں سر دے کر
قسم اُس ذاتِ اکبر کی کہ اب سب کچھ مرا تم ہو

یہ دنیا تو چلاتی ہی رہی پتھر ملامت کے
مگر تاریخ کہتی ہے امین و پارسا تم ہو

زمانہ جو بھی سمجھے غم نہیں اس کا ظفرؔ کو اب
مجھے تو فخر ہے اس کا کہ میرے رہنما تم ہو

کسی کو چاند میں چہرہ دکھائی دیتا ہے
مجھے نبیؐ کا کفِ پا دکھائی دیتا ہے

نبیؐ کے شہرِ معظم کا جوئے تیرہ بھی
ہمیں تو نور کا دریا دکھائی دیتا ہے

جو شاہِ کون ومکاں کی نظر سے گر جائے
بھرے جہاں میں وہ رُسوا دکھائی دیتا ہے

نبیؐ کے عشق میں جس نے مٹا دی ہستی کو
وہ بعد مرگ بھی زندہ دکھائی دیتا ہے

کوئی ہو لاکھ زمانے میں برتر واعلیٰ
نبیؐ کے سامنے ادنیٰ دکھائی دیتا ہے

نبیؐ کے عشق کا جلوہ نہیں ہے جس دل میں
قسم خدا کی وہ بھٹکا دکھائی دیتا ہے

زمانہ جس کو سمجھتا ہے خلد اے واعظ!
ہمیں وہ شہرِ مدینہ دکھائی دیتا ہے

ظفرؔ نے تھام لیا جب سے دامنِ احمد
رُخ اُس کا پھول سا نکھرا دکھائی دیتا ہے

کبھی جو چاہوں کہ نعتِ رسولؐ میں لکھوں
خدا کرے نہ کلامِ فضول میں لکھوں

سبھی تو سنبل و ریحاں کے گیت گاتے ہیں
نہ کیوں ثنائے حجازی ببول میں لکھوں

زمانہ لاکھ بتائے کہ خیر و شر کیا ہے
حرا کے چاند کو جو ہے قبول، میں لکھوں

جہاں میں اہلِ کمالات اور بھی ہیں، مگر
کوئی نہ پائے نبیؐ کی ہے دُھول، میں لکھوں

کلام اُن پہ جو اُترا وہ حرفِ آخر ہے
اب اس سے ہٹ کے سبھی ہیں فضول، میں لکھوں

کوئی ذلیل اگر کچھ فضول لکھتا ہے
نبیؐ پاک کی شان نزول میں لکھوں

نبیؐ کے رشد و ہدیٰ کو جو مان لے دنیا
رہے گا کوئی نہ ہرگز ملول، میں لکھوں

اگر مسائلِ دنیا مجھے بھی موقع دیں
ہیں کیا ظفرؔ کی عقیدت کے پھول، میں لکھوں

دشمن کو بھی اس بات سے انکار نہیں ہے
"جو خُلق ہے اُن کا وہی قرآنِ مبیں ہے"

دوپہر کو چلتی ہیں جو طیبہ میں ہوائیں
کہنے کو تو لُو ہے مگر انداز حسیں ہے

قرآن بھی موجود ہے، سرکارؐ بھی موجود
پھر کس لیے تو عہدِ رواں اب بھی حزیں ہے

اے ارضِ وطن! تیرا یہ سودا نہ کرے گی
سرکارؐ کی اُمت ہے کوئی اور نہیں ہے

سرکارؐ کی سرکار تھی، ہے اور رہے گی
قرآں کا ہے اعلان، ظفرؔ کو بھی یقیں ہے

وہی محبوبِ خالق ہے، وہی نبیوں میں برتر ہے
وہی اُمت کا حامی ہے، شفیعِ روزِ محشر ہے

کوئی پایاب دریا ہے، کسی کو آب جو کہیے
مگر ذاتِ گرامی آپ کی گہرا سمندر ہے

نبیؐ کی ذات یکتا اور طریقِ زندگی یکتا
شہنشاہِ دو عالم ہیں مگر کانٹوں کا بستر ہے

رسولِ پاکؐ سے نسبت متاعِ بے بہا میری
نہ خواہش مال و دولت کی، نہ خوفِ تنگیِ زر ہے

ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر ماہ و اختر ہیں
کرم اُس ذات کا ہے جو سراپا نور پیکر ہے

نبیؐ کے عشق کا جلوہ اُحد کی خاک سے پوچھو
نبیؐ کے دانت گرتے ہیں، کسی کی جاں نچھاور ہے

ظفرؔ کو کیا پڑی ہے وہ کرے تقلید غیروں کی
محمدؐ اُس کے ہادی ہیں، مدینہ اُس کا محور ہے

ہر علم کی جس ذات سے تخلیق ہوئی ہے
”دُنیا کا معلّم وہی اُمّی لقبی ہے“

دُنیا کی نظر میرے گناہوں پہ لگی ہے
اور میری نظر شافعِ محشر پہ جمی ہے

کیا دیکھے بھلا چاند ستاروں کا اُجالا
وہ جس کی نظر گنبدِ خضرا پہ پڑی ہے

ہو اور کسی در سے بھلا کیوں مرا رشتہ
کس بات کی دربارِ رسالت میں کمی ہے

اربابِ امارت کو مبارک ہو امیری
میرے لیے طیبہ کی فقیری ہی بھلی ہے

دھو سکتا نہیں کوئی بجز سیّدِ ابرار
آلام کی جو گرد زمانے پہ جمی ہے

خود خانۂ کعبہ کو بھی اقرار ہے اس کا
آمد سے شہِ دیں کی مری لاج بچی ہے

کیا خوف ظفرؔ ہو اُسے گردابِ بلا کا
کشتی جو محمدؐ کے اشارے پہ چلی ہے

یہ بدر کی وادی میں شہیدوں کی صدا ہے
سر وہ ہے جو سرکارِ دوعالمؐ پہ کٹا ہے

قرآن کے ہر حرف میں یہ راز ہے پنہاں
دل وہ ہے جو محبوبِ الٰہیؐ پہ فدا ہے

کیوں دستِ ضرورت میں کہیں اور پساروں
در سے مجھے آقاؐ کے بھلا کیا نہ ملا ہے

کرتا ہے جو تحقیرِ محمدؐ اُسے کہہ دو
کیوں دورِ تمدن کا بھرم کھول رہا ہے

پھر مجھ کو دکھا عہدِ رسالت کا کرشمہ
اے دورِ نویں! فکر میں کیوں ڈوبا ہوا ہے

وہ سن لے جو ہے منکرِ فرمانِ محمدؐ
فرمانِ محمدؐ ہی تو فرمانِ خدا ہے

کیوں ظلمتِ دوراں کا مجھے خوف ظفرؔ ہو
ہے غیرتِ خورشید جو محبوب مرا ہے

فلک، چاند، سورج، ستارے نہ ہوتے
سمندر کے بے تاب دھارے نہ ہوتے
ہمالہ کے اونچے منارے نہ ہوتے
گلستاں کے دل کش نظارے نہ ہوتے
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ بلبل کی خوش کن نوائیں نہ ہوتیں
چمن کی معطر ہوائیں نہ ہوتیں
گلوں کی یہ رنگیں قبائیں نہ ہوتیں
کلی میں ہنسی کی ادائیں نہ ہوتیں
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

سرِ طور موسیٰ بلائے نہ جاتے
انہیں رب کے جلوے دکھائے نہ جاتے
قمر، شمس و انجم بنائے نہ جاتے

یہ زیور فلک پر سجائے نہ جاتے
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نہ توریت ہوتی نہ قرآن ہوتا
فرشتے نہ ہوتے نہ شیطان ہوتا
جہاں میں نہ کوئی بھی انسان ہوتا
میسر نہ انساں کو فیضان ہوتا
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نہ الیاسؑ ہوتے نہ یعقوبؑ ہوتے
زکریاؑ نہ ہوتے نہ ایوبؑ ہوتے
نہ عیسیٰؑ ہی آتے نہ مصلوب ہوتے
خدا کو نہ ہم اتنے محبوب ہوتے
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

ابوبکرؓ کی بھی صداقت نہ ہوتی
جہاں میں عمرؓ کی عدالت نہ ہوتی
ہاں! عثماںؓ غنی کی سخاوت نہ ہوتی

جنابِ علیؓ کی شجاعت نہ ہوتی
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ قرآن کی روشنی کہہ رہی ہے
شب و روز کی دل کشی کہہ رہی ہے
خدا کی عطا زندگی کہہ رہی ہے
ظفرؔ ساری دنیا یہی کہہ رہی ہے
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

ہو صبح کوئی کہ شام کوئی   ہو راہ کوئی کہ گام کوئی
فرازِ عرشِ کریم ہو یا   زمیں کا وہ ہو مقام کوئی
محبتوں کی جبیں پہ روشن
دل و نظر کے ہزار درپن
عقیدتوں کی زباں پہ ہر پل
درود بھی ہے، سلام بھی ہے
کوئی نبی ہو، کوئی پیمبر   رسول کوئی، ہو کوئی رہبر
کوئی ہو دانش ور و سخن داں   کوئی ہو فکر و نظر کا محور
مگر یہ سب کا مشاہدہ ہے
ہر ایک دل کا یہ فیصلہ ہے
ہے فیض شاہِ ہدیٰ کا ہر جا
دلوں میں ان کا مقام بھی ہے
چمن میں بادِ صبا ہو رقصاں   کہ کھل رہی ہوں لبوں پہ کلیاں
روش روش ہو بہشت منظر   لبِ عنادل ہو یا غزل خواں
کرم یہ میرے حضور کا ہے
حبیبِ ربِ غفور کا ہے
ادا ہوئی ہے نماز دل کی
قعود بھی ہے قیام بھی ہے

غزلیں

نہ جانے کون ہے جس کا ہے انتظار مجھے
کسی بھی پہلو نہ ملتا ہے اب قرار مجھے

اگر وہ دوست ہے میرا تو دوریاں کیسی
اگر عدو ہے تو کرنے دے بے قرار مجھے

اگر ہے چاہ کوئی جرم تو سزا دینا
دل و دماغ پہ دے پہلے اختیار مجھے

میں تیری مانگ کو اپنے لہو سے بھر دوں گا
مگر ہے شرط، محبت سے تو پکار مجھے

زمانے بھر کی خدایا! اُسے خوشی دے دے
جو کر رہا ہے زمانے میں سوگوار مجھے

مری حیات، مسلسل غموں کی یورش سے
ترا کرم ہے کیا تو نے شاہکار مجھے

ہے اعتراف کہ میں ہوں گناہ گار، مگر
نہ کرنا روزِ قیامت تو شرمسار مجھے

کسی کی یاد ہر اک پل ستائے کیا معنی
کسی طرح بھی نہیں چین آئے کیا معنی

جو شخص ضربِ مسلسل پہ مسکراتا تھا
وہ اک خراش پہ اب بلبلائے کیا معنی

ضیا میں جس کی زمانے نے منزلیں سر کیں
اسی چراغ کی لو تھرتھرائے کیا معنی

چلو یہ دورِ تمدن ہے، میں نے مان لیا
لہو کسی کا کوئی پھر بہائے کیا معنی

جو قوم حق و صداقت کا درس دیتی تھی
وہ خود ہی آج سبق بھول جائے کیا معنی

جو ناؤ جبرِ تلاطم سے بچ کے نکلی ہے
کنارے آ کے وہی ڈوب جائے کیا معنی

وہ دور تھا، جو جہالت کا ایک گہوارہ
زمانہ پھر اسے واپس بلائے کیا معنی

وہی طبیب جو کہتا ہے حال اچھا ہے
چھپا کے منہ وہی آنسو بہائے کیا معنی

جو کام راہ نما آج کر رہے ہیں ظفرؔ
وہ راہ زن بھی نہیں سوچ پائے کیا معنی

میرا چہرہ اگر پڑھا ہوگا
مجھ کو وہ مجھ میں ڈھونڈتا ہوگا

رات آنکھیں مجھے دکھاتی ہے
اُس نے شکوہ مرا کیا ہوگا

آج جو بھی ہے یہ تو اُس کا ہے
وہ بھی اُس کا تھا جو لیا ہوگا

لے کے لاٹھی جو جھک کے چلتا ہے
کچھ تو کھویا ہے کھوجتا ہوگا

صرف میرِ سفر پہ کیوں الزام
کارواں بھی تو سو گیا ہوگا

جسم نیلا ہے رات کا دیکھو
ناامیدی نے ڈس لیا ہوگا

بے خودی بے سبب نہیں ہے کچھ
دل میں آ کر کوئی چھپا ہوگا

وہ دِوانہ نہیں کہ پیئے شراب
ہے مہذب، لہو پیا ہوگا

ڈاکیہ بھی تو رو رہا ہے ظفرؔ
خط مرا اُس نے پڑھ لیا ہوگا

نہ منصب دار ہو جائے، نہ گوہر بار ہو جائے
ہماری نسل یارب! صاحبِ کردار ہو جائے

جھکے نہ شمر کے آگے، کرے سجدہ نہ اکبر کو
جو سر ہو مستند ایسا تو رشکِ دار ہو جائے

ہے مومن وہ، مجدد الف ثانی کی طرح سے جو
حریفانِ خدا سے برسرِ پیکار ہو جائے

جسے ہو آرزو اُلفت کے نغمے مل کے سب گائیں
تو وہ اہلِ مدینہ کی طرح انصار ہو جائے

یہی مفہوم و مقصد ہے اذانوں کے تسلسل کا
کہ باطل خوابِ غفلت میں ہو، حق بیدار ہو جائے

عطا کی زندگی جس نے، عطا کیں نعمتیں جس نے
بغاوت جو کرے اس رب سے وہ فی النار ہو جائے

خموشی اور بھی جاں سوز کرتی ہے غمِ دل کو
یہ اچھا ہے کہ دل کے درد کا اظہار ہو جائے

ظفرؔ گھٹ گھٹ کے مرنے سے تو بہتر بس یہی ہوگا
کہ وہ اِس پار ہو جائے یا پھر اُس پار ہو جائے

غلط باتوں کی قرآں میں طرف داری نہیں ہوتی
کہ جیسے برف کے سینے میں چنگاری نہیں ہوتی

کتابوں میں پڑھا بھی ہے، ہمارا تجربہ بھی ہے
بزرگوں کی نصیحت میں دل آزاری نہیں ہوتی

کبھی کمزوریاں اپنی کسی سے مت بیاں کرنا
سوائے رب کسی میں بھی تو ستاری نہیں ہوتی

ہو زادِ راہ جس کی جہدِ پیہم اور عمل محکم
کسی بھی مرحلے میں اُس کو دشواری نہیں ہوتی

ہوا مندر کو چھوتی ہے، حرم سے بھی لپٹتی ہے
اسے فرقہ پرستی سے کوئی یاری نہیں ہوتی

بوقتِ رخصتی کچھ لوگ دکھلانے کو روتے ہیں
مگر دلہن کے رونے میں اداکاری نہیں ہوتی

بہن میکے میں جو آئے تو وہ اک بوجھ لگتی ہے
اگر سالی رہے برسوں تو وہ بھاری نہیں ہوتی

علامت اونچے پن کی ہے کسی کے کام آ جانا
فقط کھانے کھلانے سے وضع داری نہیں ہوتی

شریف النفس انساں سے ظفرؔ سودا نہیں کرنا
پہاڑوں کی جبینوں پر شجر کاری نہیں ہوتی

کب یہ کہا کہ راہ میں دشواریاں نہ دے
لیکن مرے خدا! ہمیں مایوسیاں نہ دے

طولِ شبِ فراق رہے اتنا بس خیال
یادوں کو اُس کی چھین کے تنہائیاں نہ دے

تجھ کو ترے قلم کی قسم صاحبِ قلم!
بچوں کو کل کی فکر دے، خوش فہمیاں نہ دے

اے عہدِ انقلاب! ہے تجھ کو مری دعا
اللہ ترے نصیب میں گمراہیاں نہ دے

جو بھی حقوق میرے ہیں وہ تو مجھے ملے
باغی قرار دے کے مجھے پھانسیاں نہ دے

میں جانتا ہوں کیسے گزرتی ہے زندگی
قید و صلیب کی مجھے اب دھمکیاں نہ دے

الزام دینے والے سے شکوہ نہیں ظفرؔ
لیکن خدا کے واسطے رُسوائیاں نہ دے

جو ہو سکے تو مرا پھر سے تو مقدر لکھ
مرے وجود کو قطرہ نہیں، سمندر لکھ

یزیدیوں نے سنبھالے ہیں پھر سے تیغ وسناں
حسینؓ کے لیے تو پھر کوئی بہتّر لکھ

ترے جہاں میں فراعین پھر بنے ہیں خدا
انہیں ڈبونے کو پھر تو کوئی سمندر لکھ

ہر اک صدی میں تو بھیجے ہیں تو نے اہلِ نظر
صدی اکیس میں بھی تو کوئی قلندر لکھ

کسی کے لطف و کرم کا حساب لینا ہے
وفا کے بندے کو ہرگز نہ تو ستم گر لکھ

نہ ہو گر تم تو پھر کوئی نگر اچھا نہیں لگتا
تمہارا شہر جنت ہے مگر اچھا نہیں لگتا

مری بیٹی کی مہندی سوکھ بھی جائے تو کیا غم ہے
وہ جائے اک ہوس والے کے گھر اچھا نہیں لگتا

ذرا سی بات پر مدت تلک بچھڑے رہے ہم تم
چلو مل کر چلیں، تنہا سفر اچھا نہیں لگتا

مری خوشیوں کو تم لے لو اور اپنا غم مجھے دے دو
رہو بے چین تم شام وسحر، اچھا نہیں لگتا

مرے صیاد مجھ کو قید کر لے یا رہائی دے
یہ ہاؤ ہو یہ پیش و پس، مگر اچھا نہیں لگتا

کوئی تعلیم ہو، تہذیب ہو یا ہو وہ فن پارہ
جو ڈھا دے امتیازِ خیر و شر اچھا نہیں لگتا

جسے راہِ عمل میں ہر گھڑی پیشِ نظر رکھتے
رہے وہ طاق نسیاں پر ظفرؔ اچھا نہیں لگتا

❁

بے وفائی، کج ادائی، بے رخی جیسی بھی ہو
مسکرا کر جی ہی لوں گا، دشمنی جیسی بھی ہو

اک ذرا موسم بدلتے ہی بدل جاتے ہیں لوگ
پیار، اُلفت، رشتے، ناتے، دوستی جیسی بھی ہو

عرش والے پر بھروسہ جب ہمارے دل کو ہے
پھر تو کیا پروا بہر سو تیرگی جیسی بھی ہو

بس وہی فاتح جہاں کا اور وہی ہے شاد کام
جس نے ہنس کر کاٹ لی ہو، زندگی جیسی بھی ہو

جب خدا ہی ناخدا ہے، پھر یہ دل گھبرائے کیوں
چاہے موجوں کی رگوں میں بے کلی جیسی بھی ہو

اک ذرا سی بات پر منہ پھیر لیتا ہے جہاں
حال ماں ہی پوچھتی ہے، برہمی جیسی بھی ہو

کیوں ظفؔر مایوس ہو جب دل میں ہو یادِ خدا
اک دِیا حق کا جلا ہے، تیرگی جیسی بھی ہو

پہلے دل و دماغ پہ کچھ اختیار دے
پھر شوق سے خدا! مجھے غم بے شمار دے

دے کر متاعِ درد مجھے اے مرے خدا
میرے وجود کو بھی تو نقش و نگار دے

گر خیر و شر میں معرکہ ٹھہرا ہے اے خدا
نیزے ہزار ہوں تو مجھے سر ہزار دے

رسوائیوں سے بچنے بچانے کے واسطے
مجھ کو شراب اور کسی کو خمار دے

لڑتا تھا، لڑ رہا ہوں، لڑوں گا اسی طرح
دینی ہے گر شکست مجھے باوقار دے

اے آسمان والے! ظفؔر کی ہے یہ دعا
اُس کو مٹا کے اور کسی کو سنوار دے

خود کو اتنا بھی نہیں حد سے اٹھایا جائے
تا کہ ملنے کے لیے قد کو جھکایا جائے

لوریاں ہم نے تو بچوں کو سنائیں برسوں
قصۂ بدر تو اب اُن کو سنایا جائے

اک سمندر نے کنویں سے کہا بادیدۂ تر
میں ہوں پیاسا مجھے پانی تو پلایا جائے

تجربہ کہتا ہے دشمن تو ہے دشمن، لیکن
دوستوں کو بھی نہیں راز بتایا جائے

کوئی ظالم جو کبھی آنکھ دکھائے یارو!
اپنی پلکوں پہ شراروں کو سجایا جائے

اہلِ دانش کی قیادت نے تو لوٹا ہے ظفرؔ
اب مصلیٰ کسی اُمّی کو بڑھایا جائے

مندر میں گیا، من ہی کے اندر نہیں دیکھا
ساحل پہ رہا، بڑھ کے سمندر نہیں دیکھا

لگتا ہے کہ وہ شخص مجھے بھول گیا ہے
مدّت ہوئی چھپّر پہ کبوتر نہیں دیکھا

اے دوست! نہیں تجھ سے مجھے کوئی شکایت
خود سے یہ گلہ ہے تجھے پڑھ کر نہیں دیکھا

پھر بیچنے نکلا ہے وہ کیوں پیار کا گجرا
لگتا ہے کہ بازار کا تیور نہیں دیکھا

میں نے تو فقط درسِ وفا سب کو دیا ہے
دنیا نے مرے ہاتھ میں پتھر نہیں دیکھا

اوروں کی طرح کیسے بھلا عید مناؤں
میں نے تو ظفرؔ چاند کو چھت پر نہیں دیکھا

وقت جو بدلے تو شجرہ نہیں بدلا جاتا
جیسے جگنو سے اندھیرا نہیں بدلا جاتا

جنگ لازم ہے اندھیروں کو کچلنے کے لیے
رات کے خوف سے کمرہ نہیں بدلا جاتا

وہ مرا تھا، وہ مرا ہے، وہ رہے گا میرا
مجھ سے ہر موڑ پہ قبلہ نہیں بدلا جاتا

وہ چلا سارے زمانے کی بدلنے قسمت
جس سے خود اپنا ہی نقشہ نہیں بدلا جاتا

بن گیا ہے جو زمانے میں ہماری پہچان
وقت کے ساتھ وہ لہجہ نہیں بدلا جاتا

صاف گوئی مری فطرت کا تقاضا ہے ظفؔر
مجھ سے احساس کا چہرہ نہیں بدلا جاتا

مانا کہ پیر اور قلندر نہیں ہوں میں
لیکن کسی کی راہ کا پتھر نہیں ہوں میں

ہر سمت کیوں نہ ڈھونڈے مرے نقش پا کو وہ
کیا اُس کے راستے کا مقدر نہیں ہوں میں

ایوانِ زندگی کو وہ ڈھانے پہ ہے تلا
انساں ہوں، سومناتھ کا مندر نہیں ہوں میں

دل ٹوٹنے سے آج یہ احساس تو ہوا
سینے میں دل ہے، شاخِ صنوبر نہیں ہوں میں

سنگِ ستم کی زد سے ہوا پارہ پارہ دل
گرتے ہوئے مکان کا چھپّر نہیں ہوں میں

افسوس! مجھ کو وہ بھی نہیں پڑھ سکا ظفؔر
تقویمِ زندگی ہوں، کلینڈر نہیں ہوں میں

کبھی صرصر سے لڑتی ہے، کبھی ریتوں میں جلتی ہے
مرے احساس کی مینا تو صحراؤں میں پلتی ہے

وہ لڑکی منہ کے بل سسرال میں گرتی نہیں یارو!
پھسلنے سے جو بچتی ہے، پھسل کر جو سنبھلتی ہے

سمجھ میں اُس گھڑی آتا ہے مجھ کو پیار والد کا
کسی شے کے لیے اولاد جب میری مچلتی ہے

امیروں کا یہ ایواں ریگ زارِ زندگانی ہے
کہ جس میں خار ہوتے ہیں، کلی کوئی نہ کھلتی ہے

یہ دنیا اک تماشا گاہ ہے، گر غور سے دیکھو
کہیں بارات آتی ہے، کہیں ارتھی نکلتی ہے

فرشتے بھی نہ کیوں نازاں ظفرؔ ہوں ایسے انساں پر
کہ جس کی زندگانی نور کے سانچے میں ڈھلتی ہے

خیال جس کا کیا میں نے باغباں کی طرح
بڑھا ہے میری طرف اب وہی خزاں کی طرح

پھٹی کتاب سہی پھر بھی ایک حقیقت ہوں
نہ پڑھ خدا کے لیے مجھ کو داستاں کی طرح

مجھے تلاش ہے اُس کی، کہاں وہ رہتا ہے
بچائے دھوپ سے مجھ کو جو سائباں کی طرح

میں کس کو دھوپ کہوں، کس کو چاندنی سمجھوں
ہر ایک شخص تو ملتا ہے مہرباں کی طرح

مجھے اکیلا سمجھنے کی بھول مت کرنا
مرا خدا ہے مرے سر پہ آسماں کی طرح

وہ اپنی ذات سے خوشبو کا ایک جھونکا ہے
ظفرؔ کہیں بھی ہو، مہکے گا گلستاں کی طرح

وہ خود کو سب سے اونچا بولتا ہے
مگر کچھ اور شجرہ بولتا ہے

فلک کو جس گھڑی آتا ہے غصہ
ہوا، طوفان، دریا بولتا ہے

جہاں گم کردہ رہ ہے عقلِ انساں
وہاں رب کا صحیفہ بولتا ہے

وہ بولے یا نہ بولے دوست! لیکن
خطِ تقدیر اُس کا بولتا ہے

حیات اُس کی، صحیفہ ہے کھلا اک
جو وہ چپ ہے تو حلیہ بولتا ہے

ظفرؔ کے دل میں ہے جو کرب یارو!
غزل میں اُس کا لہجہ بولتا ہے

ندی نہیں ہے، سمندر نہیں، حباب تو ہے
وہ چاہے جیسا بھی ہو اپنا انتخاب تو ہے

یقیں ہے چل کے خود آئیں گی منزلیں مجھ تک
فضائیں جیسی ہوں سینے میں اضطراب تو ہے

بجا کہ دامنِ دل ہے بھرا نہ پھولوں سے
ہماری آنکھوں میں گلہائے تر کا خواب تو ہے

ہر ایک موڑ پہ ہر دام میں جو بکتا ہے
اُسے ہے زعم زمانے میں کامیاب تو ہے

حجاب لاکھ رکاوٹ سہی، مگر سن لو
تمام فتنہ و شر کا یہی جواب تو ہے

ظفرؔ کے قدموں میں دنیا نہیں تو کیا غم ہے
کہ اُس کے سینے میں اللہ کی کتاب تو ہے

پھول، خوشبو، پون، مہ لقا زندگی
چاہے جو بھی کہو ہے فنا زندگی

تجربوں، حادثوں کے صحیفے میں بھی
ہر جگہ ہے لکھا بے وفا زندگی

زندگی کے چمن میں خزاں جہل سے
علم سے، عزم سے خوش نما زندگی

گھر کسی کا اجاڑے تو راون لگے
اور بسائے تو پھر دیوتا زندگی

بیٹیاں جس کی ہیں رحمتیں اُس پہ ہیں
کیوں وہ سوچے بھلا ہے قضا زندگی

اپنی مرضی سے کیسے گزاروں ظفرؔ
میرے اللہ کی ہے عطا زندگی

دفن کے بعد مری قبر پہ کتبہ لکھنا
ایک ٹوٹا ہوا مٹی کا کھلونا لکھنا

کوئی پتھر جو سرِ راہ بنے سدِّ سفر
خود کو اس موڑ پہ شیشہ نہیں، تیشہ لکھنا

جب قلم تجھ سے کہے، دیش کے حالات لکھو
دیش بھگتوں کا ہے یہ خوابِ شکستہ لکھنا

کشتیِ شوق بچانا ہے اگر طوفاں سے
حاکمِ شہر کا ہر وقت قصیدہ لکھنا

بامِ شہرت پہ اگر زاغ و زغن کو دیکھو
اس کو اس دورِ سیاست کا کرشمہ لکھنا

تم جو چاہو کہ تمہیں لوگ محقق سمجھیں
ہیرؔ کو رانجھاؔ تو یوسف کو زلیخا لکھنا

ہو گئی شام کبھی یہ نہیں لکھنا ہرگز
ہونے والی ہے نئی صبح، یہ جملہ لکھنا

راستہ کوئی بھی ہو فخرِ دوعالمؐ کے سوا
صرف قرآں کو ظفرؔ نعمتِ کبریٰ لکھنا

اس دورِ ترقی کا بس اتنا فسانہ ہے
جو حق کو کہے باطل، وہ آج کا دانا ہے

اس دیش کی جنتا کا کیا حال بھلا ہوگا
محفوظ نہیں جس میں رب کا بھی ٹھکانہ ہے

اک حشر سا برپا ہے ملّت کے مسائل پر
نیتاؤں کا کہنا ہے، موسم یہ سہانا ہے

اُس شرعِ محمدؐ کے ہم کیوں نہ محافظ ہوں
حق نے جسے بھیجا ہے، اور دہر نے مانا ہے

قانونِ الٰہی میں ترمیم کی یہ کوشش؟
کیا کفر نے سمجھا ہے، الحاد نے جانا ہے

کرتا ہے جو مذہب کی تذلیل، وہ دانش ور
توقیر جو کرتا ہے ملّا ہے، دِوانہ ہے

تقدیر سنواری ہے جس شرع نے قرنوں تک
ترمیم و تبدل کا وہ آج نشانہ ہے

اب برق جلا ڈالے یا آندھیاں لے جائیں
دہقاں کو بہر صورت خرمن کو بچانا ہے

کانٹوں کی انی دے دے ہر پھول کے ہاتھوں میں
اے فصلِ بہاراں سن! گل چیں کا زمانہ ہے

للہ ظفرؔ اپنی اُس پر بھی نظر رکھنا
جو فتنے اٹھاتا ہے وہ خوب سیانا ہے

حمد یا نعت جو لکھنا ہو تو برتر لکھنا
ڈگمگائے نہ قلم، خوب سنبھل کر لکھنا

ہر قدم حفظِ مراتب کا تمہیں پاس رہے
رب کو رب اور پیمبر کو پیمبر لکھنا

چاہتے ہو کہ زمانہ ہو تمہارا مداح
جو ہے قطرہ بھی نہیں اُس کو سمندر لکھنا

مستقل کیا ہے پتہ کوئی جو پوچھے تم سے
اُس گھڑی شہرِ خموشاں کا ہی نمبر لکھنا

ابرہہ کوئی اگر آنکھ دکھائے تم کو
اُس گھڑی خود کو ابابیل کا لشکر لکھنا

حسنِ تحریر سے حالات بدلتے ہیں ظفرؔ
جو بھی لکھنا ہو بہت سوچ سمجھ کر لکھنا

هم اُسے حاصلِ دعا سمجھے
کیا سمجھنا تھا اور کیا سمجھے

کوئی ایسا نظر نہیں آتا
جو مرے دل کا مدعا سمجھے

اک معمہ ہی وہ رہا بن کر
ہم جسے خط کھلا ہوا سمجھے

اس لیے وہ خبر میں رہتا ہے
قوم اُس کو بھی پیشوا سمجھے

کہہ رہا تھا مرا قلم مجھ سے
کچھ نہ لکھنا کبھی بِنا سمجھے

زندگی بھی عجب معمہ ہے
درد سمجھے کوئی، دوا سمجھے

اُس عبادت سے تم ظفرؔ بچنا
چشمِ قدرت جسے ریا سمجھے

منصب، سند، نسب، نہ ہی شاہنشہی سے پوچھ
تو کیا ہے اپنے شہر کے ہر آدمی سے پوچھ

کشتی ہے ناخدا کی تو پانی خدا کا ہے
انجام تو سفر کا مسافر! ندی سے پوچھ

دولت میں کیا سرور ہے، کیا لطف، کیا نشاط
سرمایہ دار سے نہیں، مردِ سخی سے پوچھ

دہشت پسند فکر ہماری ہے یا نہیں
آزادؔ سے، حمیدؔ سے، ہندالولی سے پوچھ

اُردو ہے اِس دیار کی یا اُس دیار کی
منشی پریم چندؔ و فراقؔ و ولیؔ سے پوچھ

گمرہ راہ صرف ہم ہی نہیں، کارواں بھی ہے
اس کا جواب چاہیے تو رہبری سے پوچھ

شاعر سے، فلسفی سے، نہ اہلِ نگاہ سے
آدابِ زندگی تو ظفرؔ بس نبیؐ سے پوچھ

میرے احساس کی دہلیز پہ ایسا کیوں ہے
ہر طرف اُس کے تصور ہی کا پہرہ کیوں ہے

کاش! اُس کو تو یہ احساس دلاتا کوئی
کل جو اپنا تھا وہی آج پرایا کیوں ہے

جب زمانے کو ہے معلوم یہ ہے شعر مرا
پھر کسی اور کے دیوان میں سجتا کیوں ہے

چند قطروں ہی سے بجھ جاتی ہے جب تشنہ لبی
تو ہر اک شخص کو پھر خواہشِ دریا کیوں ہے

شیخ کرتا ہے نصیحت کہ خدا سے مانگو
پھر کسی اور کی چوکھٹ پہ وہ جھکتا کیوں ہے

آج کے ارتقا بردوش زمانے میں بھی
در بہ در، خاک بسر اپنی تمنا کیوں ہے

لطف نے جس کے مجھے کر دیا برباد ظفرؔ
پھر وہی شخص مرے حال پہ روتا کیوں ہے

یہ کیا کہ ہر گھڑی قلبِ حزیں کی بات کرو
کبھی تو دوستو! عزم و یقیں کی بات کرو

علاجِ دردِ جگر بس میں ہے طبیب کے کب؟
ملا ہے درد جہاں سے وہیں کی بات کرو

فنا پذیر خداؤں سے کیا مجھے لینا
نقیبِ عرش ہوں، عرشِ بریں کی بات کرو

فلک تو حدِّ نظر ہے، ہو بات کیوں اس کی
زمیں ہے مطلع و مقطع، زمیں کی بات کرو

ہمیشہ چاند ستاروں کی بات ہوتی ہے
کبھی جو ہو سکے اپنی زمیں کی بات کرو

اگر ہے کاکل ہستی سنوارنا مقصد
چھٹی صدی کے ہی صحرا نشیں کی بات کرو

جو چاہتے ہو ظفرؔ عزم کا اُگے سورج
اندھیری رات میں صبحِ حسیں کی بات کرو

دلوں میں شرم، نظر میں کوئی حجاب نہیں
یہ دور وہ ہے کہ جس کا کوئی جواب نہیں

اگرچہ میرے گناہوں کا کچھ حساب نہیں
یقیں ہے شانِ کریمی کا بھی جواب نہیں

کوئی بھی فتنہ و شر ہو اُسی سے ممکن ہے
جسے حرام کے لقموں سے اجتناب نہیں

مصیبتوں سے لرز کر نراس مت ہونا
وہ رات کیسی؟ چھپا جس میں آفتاب نہیں

وہ چاہے جو بھی کریں، میں اگر کروں تو گناہ
جنابِ شیخ کو کیا خوفِ احتساب نہیں

وہ کس طرح سے مرادوں کی منزلیں پائیں
کہ جن کی موجِ تفکر میں اضطراب نہیں

فقط ہے گوشت کا ٹکڑا کریں جو غور ظفرؔ
وہ دل کہ جس کا محمدؐ سے انتساب نہیں

بکھرا بکھرا ہوا ہر برگِ شجر لگتا ہے
اہلِ دستار کا شاید یہ نگر لگتا ہے

اب قلم کار کی تصویر یہی ہے لوگو!
دھڑ کسی کا تو کسی اور کا سر لگتا ہے

اہلِ زر قبر کے ماحول سے ڈرتے کیوں ہیں
یہ تو نادار کو آرام کا گھر لگتا ہے

میرے مولا! تری دنیا ہو مبارک تجھ کو
عیب بھی حضرتِ واعظ کو ہنر لگتا ہے

دشت و صحرا سے نہ کچھ برق و شرر سے مجھ کو
آج بس حضرتِ انسان سے ڈر لگتا ہے

برق رفتاری سے منزل کو چلے تو ہو ظفؔر
دل میں کچھ سرد مگر شوقِ سفر لگتا ہے

ہے کون جس میں دوستو! کچھ خامیاں نہیں
سب آدمی ہیں، کوئی فرشتہ یہاں نہیں

منزل تو خود تلاش کرے گی مجھے، مگر
کیا کیجیے کہ دل ہی میں عزمِ جواں نہیں

شاخوں سے گل کو توڑنے والے ہی رہ گئے
جو دے حیات پھولوں کو وہ باغباں نہیں

ہر درد، ہر الم کا ہے مدفن مرا جگر
شکوہ ہو جس سے تم کو وہ ایسی دکاں نہیں

کہنے کو کہہ تو دوں میں یہاں داستانِ دل
کس کو سناؤں، کوئی مگر رازداں نہیں

ہر شخص اپنی ذات میں محصور ہے یہاں
اس دور میں وطن کا کوئی پاسباں نہیں

تجھ کو جہاں وفا کے صلے میں وفا ملے
اے دوست! ذہن میں رہے یہ وہ جہاں نہیں

رنج و الم کے بوجھ سے لرزاں نہ ہو ظفرؔ
ہر چیز عارضی ہے، کوئی جاوداں نہیں

جان اپنی نہ شان ہے یارو!
عرش والے کا دان ہے یارو!

کیوں نہ دل میں بسائیں یادِ خدا
یہ اُسی کا مکان ہے یارو!

جو بھروسہ خدا پہ کرتا ہے
اک الگ اُس کی شان ہے یارو!

خود کو جس نے خدا کو سونپ دیا
بس اُسی کو امان ہے یارو!

کل بھی آئینِ زیست تھی یہ کتاب
آج بھی میری جان ہے یارو!

تازہ کاری ہو ہم قدم جس کی
فکر اُس کی جوان ہے یارو!

اُس کا حرص و ہوس مقدر ہے
جس کی اونچی اُڑان ہے یارو!

شوق کی راہ ہے بہت دشوار
ہر قدم امتحان ہے یارو!

دھوپ جس کو سمجھ رہے ہو تم
سر پہ وہ سائبان ہے یارو!

کیوں نہ اُردو پہ ہو نثار ظفرؔ
یہ ادب کی زبان ہے یارو!

کیوں نگاہوں میں بحر و بر رکھئے
آپ اپنی بھی کچھ خیر رکھئے

کیوں فقط غیر کی خبر رکھئے
اپنے دامن پہ بھی نظر رکھئے

دوستوں کو اگر پرکھنا ہو
چشمِ باطن کو کھول کر رکھئے

یہ وطن ہی کے کام آئے گا
آپ محفوظ میرا سر رکھئے

میرا کیا؟ میں تو ہو چکا برباد
اب تو اپنا بچا کے گھر رکھئے

دوستو! وقت کا تقاضا ہے
اختلافات طاق پر رکھئے

آ رہی ہے فرات کی سرحد
اب ہتھیلی پہ اپنا سر رکھئے

ہے تمنا، ہو سرخ رو ملت
اس کو قرآں سے باخبر رکھئے

جانے کب کس کو تاک لے رحمت
ہر گھڑی اپنی چشم تر رکھئے

جس کو دعویٰ ہے دیش بھگتی کا
بس اُسی پر کڑی نظر رکھئے

سب نے لوٹا ظفرؔ کو قسطوں میں
آپ تو لطف کی نظر رکھئے

اُسی کے آگے سبھی سر جھکائے جاتے ہیں
جو سر اصول کی خاطر کٹائے جاتے ہیں

خطا کسی کی جو دھرتی پہ بھول جاتا ہے
قصور اُس کے فلک پر مٹائے جاتے ہیں

وطن کے پھول غریبوں کے گھر میں کھلتے ہیں
حویلیوں میں تو کانٹے اُگائے جاتے ہیں

اُحد کی جیتی ہوئی جنگ ہاری جاتی ہے
قدم خلافِ نبیؐ جب اٹھائے جاتے ہیں

وہاں سے وحیِ الٰہی ہی اک سہارا ہے
جہاں پہ عقل کے خیمے گرائے جاتے ہیں

بجز خدا کے کوئی بھی نہیں ہے عقدہ کشا
تو کیوں بشر ہی کو دکھڑے سنائے جاتے ہیں

نگاہِ رب میں ہیں وہ دُرِّ بے بہا سے نہ کم
رہِ خدا میں جو آنسو بہائے جاتے ہیں

خدا کے بندوں سے اُمید کیا ظفرؔ رکھے
توقعات خدا سے لگائے جاتے ہیں

❁

کسی کے دستِ کرم کو کچل سکو تو چلو
جو خود نصیب تم اپنا بدل سکو تو چلو

لباسِ گل میں ہیں کانٹے چھپائے چہروں کو
حنائی دست سے ان کو مسل سکو تو چلو

ہر ایک دل میں غم و درد کا بسیرا ہے
نظامِ دہر کا نقشہ بدل سکو تو چلو

رہِ وفا کا مقدر ہے آگ کا دریا
تم اس ڈگر پہ اگر ہنس کے چل سکو تو چلو

یہاں پہ مال و متاع و ریا و مکاری
ہر اک قدم پہ رکاوٹ، سنبھل سکو تو چلو

جہاں میں موت ہے سستی، حیات مہنگی ہے
جو لے کے سر کو ہتھیلی پہ چل سکو تو چلو

ہر ایک سانس پہ رنج و الم کے پہرے ہیں
ہماری زیست کا عنواں بدل سکو تو چلو

نوائے درد ہے بلبل کی انبساطِ چمن
رُلا کے تم جو ظفؔر کو بہل سکو تو چلو

جنگل ہے یہ ایسا جہاں منگل نہیں دیکھا
شاید ہو کوئی نین جو جل تھل نہیں دیکھا

کس طرح کہوں اُس کی ہر اک سانس ہے اپنی
اُس کو تو کبھی میں نے مسلسل نہیں دیکھا

اے عہدِ ضیا ریز! کوئی بات ہے شاید
انسان کو اتنا کبھی بے کل نہیں دیکھا

بجلی کی طرح آ کے گزر جاتا ہے فوراً
ادبار کو گھر پر کبھی پیدل نہیں دیکھا

تم نے مرے اظہار کا چہرہ تو پڑھا ہے
لیکن مرے احساس کا جنگل نہیں دیکھا

حالِ دلِ خوں گشتہ بھلا پوچھتے کیا ہو
کیا تم نے تمناؤں کا مقتل نہیں دیکھا

کیسے وہ ظفرؔ اشک ترا تول سکے گا
جس نے کبھی روتا ہوا بادل نہیں دیکھا

فیصلہ اس کا ہے معلوم کہ کیسا ہوگا
حاکمِ شہر نے بڑھ کر جسے لوٹا ہوگا

دودھ منّے کا، دوا باپ کی، سب میں دھوکا
کون اب زہر نہ اس ملک میں پیتا ہوگا

"اسلحہ بیچنے نکلا ہے کھلونے والا"
توپ لکڑی کا کسی کو نہیں بھاتا ہوگا

کون بتلائے گا من کا ہوں میں اُجلا کتنا؟
دیدۂ بینا سے جس نے مجھے دیکھا ہوگا

سلوٹیں ریشمی چادر کی یہی کہتی ہیں
تیرا بیمار، تری یاد میں تڑپا ہوگا

رام کے نام پہ راون کی حکومت کیسی؟
کب تلک دیش میں اس طرح تماشا ہوگا

ہو چکا ظلم کا شکوہ کسی بے بس کی طرح
اب مجاہد کی طرح شان سے جینا ہوگا

آنکھ کھلتے ہی ظفرؔ تیری ہنسی کیا معنی
رات سپنا کوئی رنگین سا دیکھا ہوگا

کیسے کسی سے پیار کروں یار کی طرح
یاری ہر ایک کرتا ہے بیوپار کی طرح

موسم ہمارے ملک میں دنگا فساد کا
ہر سال آتا رہتا ہے تیوہار کی طرح

یہ عہدِ نو کی رائے، ملوں سب سے ٹوٹ کر
ماضی کا مشورہ ہے کہ ہشیار کی طرح

اُس دور کے نصیب میں امن وسکوں کہاں
جس دور کا مزاج ہو تلوار کی طرح

کیا پوچھتے ہو میری تباہی کی داستاں
اپنوں نے مجھ کو لوٹا ہے اغیار کی طرح

رہزن لباسِ خضر میں ہیں سینکڑوں یہاں
چلنا پڑے گا سب کو اداکار کی طرح

کنگن کے بدلے ہاتھ میں خنجر دلہن کے دو
تا کہ نہ جان دے کسی لاچار کی طرح

اُس دیش میں تصورِ امن و اماں فضول
جس کا ہر ایک فرد ہو سردار کی طرح

اس عہد کے امام کا یہ حال ہے ظفؔر
جیسے طبیب لگتا ہو بیمار کی طرح

تلاشِ حق کے مسافر! یہ کام کر لینا
تم اپنے نفس کو پہلے غلام کر لینا

اگر ہے جوش میں موجِ بلا تو کیا پروا؟
تم اپنے حوصلوں کا اہتمام کر لینا

جو زندگی کو تمہیں سازگار کرنا ہے
ہر ایک شخص کو پہلے سلام کر لینا

جہاں کوئی تری غربت سے کھیلنا چاہے
وہاں انا کو تم اپنا امام کر لینا

سنا ہے تم نے رئیسوں سے دوستی کی ہے
اب اپنے دفن کا بھی انتظام کر لینا

رہِ حیات میں کوئی اگر چٹان ملے
کلامِ پاک سے رُک کر کلام کر لینا

وہ لوگ جن کی شرافت کے خوب چرچے ہیں
تم اُن کے گھر میں کسی دن قیام کر لینا

وہ بدنصیب ہوں میں جس کا یہ نصیب کہاں
کسی کی زلف کے سائے میں شام کر لینا

گنہ کے بعد جو قہرِ خدا سے بچنا ہو
تو توبہ کا بھی ظفؔر اہتمام کر لینا

❁

کسی سے ذکرِ غمِ روزگار مت کرنا
تم اپنی ذات پہ خود سے ہی وار مت کرنا

ہمارے لطف و کرم کا حساب ہو کہ نہ ہو
تم اپنے ظلم و ستم کا شمار مت کرنا

نچوڑنا ہے لہو تم کو جسمِ فاسد سے
کسی رسول کا اب انتظار مت کرنا

جو ہو سکے تو یقیں سانپ پر بھی کر لو تم
منافقوں پہ کبھی اعتبار مت کرنا

اگر سکون سے جینا ہے اور مرنا ہے
دل و دماغ پہ دنیا سوار مت کرنا

قدم قدم پہ ہیں بیٹھے ہوس کے سوداگر
ہماری بیٹیو! سولہ سنگار مت کرنا

اسی دعا میں ہے اسرارِ انقلابِ جہاں
خدایا! مال دے، سرمایہ دار مت کرنا

نظامِ دہر کا نقشہ اگر بدلنا ہے
ہدایتِ شہِ دیں سے فرار مت کرنا

ہر ایک شخص سے جھک کر گلے جو ملتا ہے
اُسے ظفرؔ کبھی بونا شمار مت کرنا

سانس جاتی ہوئی میری جو پلٹ آئی ہے
اُن کے آنے کی خبر بادِ صبا لائی ہے

اُس نے ہی راہِ مفرغم سے یہاں پائی ہے
جس نے ہر غم سے نپٹنے کی قسم کھائی ہے

کالے بادل سے ٹپکنے کو جو ہے قطرۂ آب
آنکھ شاید کسی مجبور کی بھر آئی ہے

فصلِ گل اب کے بہ اندازِ دگر ہے رقصاں
پھول مرجھائے ہیں، کانٹوں پہ بہار آئی ہے

ڈوب جاؤں تو انا سنگِ ملامت کی ہدف
پار ہو جاؤں تو گرداب کی رُسوائی ہے

ڈوب جاتا ہے وہی گود میں طوفاں کی ظفرؔ
یادِ ساحل جسے ہر لمحہ یہاں آئی ہے

شراب ایسی کوئی ساقی! پلا دے
نشہ جس کا مرا ماضی بھلا دے

یہ کوفہ ہے اسے طیبہ نہ سمجھو
ہر اک ماں اپنے بچے کو بتا دے

اگر چاہے کہ انساں ہو سرافراز
لکیریں سرحدوں کی پھر مٹا دے

محبت اور ہوس دونوں الگ ہیں
نئی نسلوں کو یہ نکتہ بتا دے

بچانا ہے اگر دنیا کو یارب!
تو رہ سے رہبروں کو بس ہٹا دے

مٹا دے حسن والوں کی خدائی
اچھلتی موج کو طوفاں دکھا دے

ظفرؔ کو دوستوں پر ہے بھروسہ
اسے حسنینؓ کا قصہ سنا دے

ہر ایک دل یہاں دیکھو ملول ہے بھائی
کرو جو غور تو اپنی ہی بھول ہے بھائی

عوض میں پھول کے پتھر ملے تو شکوہ کیوں
یہی تو آج کا واحد اصول ہے بھائی

خدا ہی خیر کرے اس دیار کا کہ جہاں
خدا کی یاد نہ ذکرِ رسولؐ ہے بھائی

جو ہو سکے تو اسے بھی قبول کر لو تم
قدم پہ حسنِ عقیدت کا پھول ہے بھائی

پڑھو گے دستِ قضا کو تو مان جاؤ گے
یہاں ہے جو بھی وہ سب کچھ فضول ہے بھائی

ہر ایک شاخ پہ کانٹوں کا واسطہ ہوگا
یہاں تو راہ میں ہر سو ببول ہے بھائی

جو ہو سکے تو ظفرؔ پر بھی اک نگاہِ کرم
وہ ایک عمر سے بے حد ملول ہے بھائی

دل میں تھے زخم، ہم سے دکھائے نہیں گئے
محفل میں لب بھی اپنے ہلائے نہیں گئے

یہ مانتا ہوں مجھ سے خطائیں بہت ہوئیں
لیکن کسی کے خواب چرائے نہیں گئے

اُن سے بچھڑ کے خالی رہی دل کی کوٹھری
آئے کرایہ دار، بسائے نہیں گئے

ہوتی ہمارے پاس بھی دنیا کی نعمتیں
چہرے پہ ہم سے چہرے چڑھائے نہیں گئے

سامانِ شوق کی تو کمی کچھ نہ تھی، مگر
سوئے گناہ پاؤں بڑھائے نہیں گئے

میری بھی آرزو تھی کہ دیکھوں ہلالِ عید
جل تھل ندی میں دیپ جلائے نہیں گئے

کس طرح اُس کے راز رہیں راز ہی ظفرؔ
خود جس سے اپنے راز چھپائے نہیں گئے

کس قدر جاں فزا نظارے ہیں
ہر قدم پر کھلے ستارے ہیں

ہم کسی کے ہیں، کب کہا ہم نے
یہ کہا ہے کہ سب ہمارے ہیں

جس نے جیتی ہے جنگ کربل میں
معرکے حق کے اُس نے ہارے ہیں

گرم سورج ہے سر پہ، کیا پروا
ہم نے صحرا میں دن گزارے ہیں

زخم بخشے ہیں اس قدر اُس نے
جس قدر آسماں پہ تارے ہیں

اُس کی نظروں میں سیم وزر کیا ہیں؟
جس کے سینے میں تیس پارے ہیں

قیس و لیلیٰ کا وقت تھا کچھ اور
اب ظفرؔ اور ہی نظارے ہیں

جب بھی رقصِ بہار ہوتا ہے
گل کے رُخ پر نکھار ہوتا ہے

جانتا ہوں میں تیرے وعدے کو
پھر بھی کیوں انتظار ہوتا ہے

واجب القتل ہوں اگر لوگو!
عدل کیوں شرمسار ہوتا ہے

لوگ مسجد شمار کرتے ہیں
جب کہ تقویٰ شمار ہوتا ہے

ساتھ اُس کے ہے رحمتِ ربی
جو سفینہ بھی پار ہوتا ہے

خواہشیں جس کی ہوگئیں پوری
وہ ہوس کا شکار ہوتا ہے

کل ظفرؔ اُس سے مل کے کھلتا تھا
آج کیوں سوگوار ہوتا ہے

لاکھ ٹوپی پھٹی پرانی ہے
میرے اجداد کی نشانی ہے

ایسی دنیا کو کیا کروں لے کر
جس کی ہر چیز آنی جانی ہے

تیری دنیا سجی دھجی، لیکن
میری بکھری ہوئی کہانی ہے

آؤ ہم بھی بنائیں تاج محل
ہم بھی فانی ہیں وہ بھی فانی ہے

تجھ کو کھو کر ہوا مجھے احساس
تیری قربت ہی زندگانی ہے

ظلم کوئی کرے کسی پہ اگر
اس کی قیمت اُسے چکانی ہے

کل خطاؤں پہ تھا ظفرؔ شاداں
شرم سے آج پانی پانی ہے

کسی کی بھیک سے ہستی کو خوش گوار نہ کر
خودی کو بیچ کے تو خود کو زیرِ بار نہ کر

جو زخم تو نے دیا تھا، ابھی ہرا ہے وہ
میں تجھ کو بھول گیا اس کا اعتبار نہ کر

سنبھل سنبھل کے ذرا دل کا معاملہ کرنا
جو ہو سکے تو یہاں اس کا کاروبار نہ کر

یہ تیری چاہ نے مجھ کو بہت اُداس کیا
میں تیرے در سے اٹھا، اور انتظار نہ کر

حیات کہتی ہے ہر ذی حیات سے ہر دم
ہمارے دام سے رہ دور، ہم سے پیار نہ کر

ہزار بات کی اک بات تجھ سے کہتا ہوں
سوائے رب کے کسی پر بھی انحصار نہ کر

جو ہو سکے تو نئی نسل سے ظفرؔ کہہ دے
یہ کربلا ہے، یہاں زندگی سے پیار نہ کر

رات نے کتنا ظلم کیا ہے، چندا، بادل بولے گا
ٹھنڈی آہیں، بھیگی پلکیں، گیلا آنچل بولے گا

لاکھ چھپائے وقتِ جدائی اپنا غم وہ دنیا سے
لیکن اُس کا دل ٹوٹا ہے، بہتا کاجل بولے گا

آپ خطائیں لاکھ چھپائیں چشمِ دوعالم سے، لیکن
گلشن میں گو خاموشی ہے، جنگل جنگل بولے گا

آلِ نبیؐ اور آہیں، شکوے! ذاکر، شاعر جھوٹے ہیں
بچوں نے بھی ہنس کر جانیں دی ہیں، کربل بولے گا

مجھ کو یقیں ہے چشمِ عدالت سے نہ رہے گا پوشیدہ
لاکھ چھپائے خون کو کوئی، لیکن مقتل بولے گا

انگریزوں نے ہم سے چھینا، اس دھرتی کے ہم ہیں وارث
کنچن، جمنا، تاج، ایلورا، دلّی، چمبل بولے گا

سرحد کی دیواریں توڑو، مل کر سب کو جینے دو
ورنہ ظفرؔ نفرت کا کاگا دیکھو مسلسل بولے گا

سبھی ہیں اپنے لیے اور اپنے گھر کے لیے
وہ کھو چکا ہے جو جیتا تھا ہر بشر کے لیے

فریب خوب دیا روشنی نے جگنو کو
چراغ لے کے بھٹکتا رہا سحر کے لیے

زمانہ اُس سے یقیناً حساب لے گا کل
جو مر رہا ہے فقط آج سیم و زر کے لیے

وہ جس نے طاقتِ پرواز دی ہزاروں کو
ترس رہا ہے وہی آج بال و پر کے لیے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ معاملہ کیا ہے؟
دعائیں میری بھٹکتی ہیں کیوں اثر کے لیے

فریب، ضربِ مسلسل، ستم زمانے کے
یہی ہیں زادِ سفر اب مرے سفر کے لیے

زمانہ مان لے اس کو یہی حقیقت ہے
ظفرؔ ہے اس کے لیے، وہ نہیں ظفرؔ کے لیے

اقرار تو اُس کا مجھے انکار لگے ہے
نیتا مرا اس عہد کا فن کار لگے ہے

چہرے پہ رقم ہیں دل و دنیا کے فسانے
ہر شخص یہاں صبح کا اخبار لگے ہے

مسجد میں بھی ہے ذکرِ زر و مال زباں پر
اللہ کا گھر کب، یہ تو بازار لگے ہے

اِس دورِ ترقی کی یہ رنگین فضائیں
بیوہ کا اجڑتا ہوا سنسار لگے ہے

جو نام پہ اُردو کے دکاں اپنی سجائے
دیکھو تو وہ اُردو کا طرف دار لگے ہے

اک باپ نے بیٹی کے جنم پر یہ کہا ہے
گردن پہ لٹکتی ہوئی تلوار لگے ہے

ہر وقت ظفرؔ اپنی نظر کھول کے رکھیو
ہر کوئی ترا شہر میں غم خوار لگے ہے

فسانۂ دلِ خوں گشتہ تو سنانے دو
لگی ہے آگ جو دل میں اُسے بجھانے دو

فرشتو! بعد میں میرا حساب کر لینا
میں تھک کے آیا ہوں کچھ دیر لیٹ جانے دو

سمجھ میں آئے گا پانی میں کون کتنا ہے
ہمیں بھی سیلِ حوادث کو آزمانے دو

اگر ضمیر ہے روشن تو جان دے دے گا
وہ کیا ہے اُس کو ہمیں آئینہ دکھانے دو

تمہارے ظلم و ستم کا حساب بھی ہوگا
غرور کس لیے وہ وقت ہاتھ آنے دو

تمام عمر مجھے انتظار تھا جس کا
وہ میرا رب ہے، مجھے اس کے پاس جانے دو

وہ جان لے گا خدا کیا ہے اور وہ کیا ہے
ظفرؔ مزاجِ الٰہی کو رنگ لانے دو

جیون میں جو خوش رہنا ہے، غم میں بھی مسکانا سیکھ
سکھ سے کیول پیار نہ کرنا، دکھ کو بھی اپنانا سیکھ

قلت سے گھبرانا کیسا، کثرت سے ڈر جانا کیوں
کشتی کو طارق کی صورت خود ہی آگ لگانا سیکھ

چھوٹی کشتی، ٹوٹے تختے، موجیں بھی ہیں تند و تیز
پاؤں ترا چومے گا ساحل، طوفاں سے ٹکرانا سیکھ

ملت کی بیٹی کے حق میں بین بجانے والے سن
پہلے اپنی گوری کا حق دینا اور دلانا سیکھ

ماضی سے کیا لینا دینا، مستقبل کی کیسی فکر
دنیا سے ٹکرانا ہو تو حال پہ غالب آنا سیکھ

کیسی طاقت، کیسا ساتھی، کیسی شہرت، کیسا دھن
توڑ ظفؔر سب رشتے ناتے، اللہ پر اِترانا سیکھ

دوستو! دورِ تمدن کا یہ منظر کیوں ہے
روح مفلوج ہے اور جسم تونگر کیوں ہے

خالق جن و بشر! تو ہے سبھوں کا رزّاق
کھیت سیراب ہے کوئی، کوئی بنجر کیوں ہے

ہونٹ پر آپ کے ہے ذکرِ خدا، ذکرِ رسولؐ
زیرِ دستار مگر آپ کے خنجر کیوں ہے

آپ کی نظرِ عنایت نے جسے تاک لیا
ریزہ ریزہ اُسی انسان کا پیکر کیوں ہے

خادمِ قوم ہے، تہذیب کا دل دادہ بھی
اُس کو یہ فکر ہے اُس سے کوئی بہتر کیوں ہے

کیا بتاؤں میں ظفؔر کس کی عنایت ہے یہ
آج مرجھایا مرے گھر کا صنوبر کیوں ہے

اپنے گناہ جس سے سمیٹا نہ جائے ہے
رسوائیوں سے پھر اسے روکا نہ جائے ہے

سن لو ہر ایک شخص سے کھائے گا وہ فریب
جس سے کسی کے پیار کو پرکھا نہ جائے ہے

توحید کا مزاج جنابِ عمرؓ سے پوچھ
جن سے ستونِ کعبہ بھی چوما نہ جائے ہے

کیا جانوں کب جہان سے جانا پڑے مجھے
اس واسطے کسی سے بھی روٹھا نہ جائے ہے

میرے خدا ! ظفؔر کو نشہ مال کا نہ دے
اس کا اثر ہے ایسا سنبھالا نہ جائے ہے

شدتِ کرب کو نغموں سے چھپائیں کیسے
ہم تری بزم کو گیتوں سے سجائیں کیسے

مسئلہ یہ نہیں غربت کے ہیں چھائے بادل
مسئلہ یہ ہے کہ غربت کو نبھائیں کیسے

سر کو قربان تو کر دیں گے وطن پر، لیکن
پہلے یہ بھید کھلے سر کو بچائیں کیسے

اے مہِ صوم غریبوں کی گزارش ہے نہ جا
مہنگے بازار میں ہم عید منائیں کیسے

بس ظفؔر کی یہ تمنا ہے، یہی خواہش ہے
اپنے معبودِ حقیقی کو منائیں کیسے

لے کر صبا جو آئی ہے جھونکے بہار کے
آثار دیکھئے رُخِ گل پہ نکھار کے

اے چشمِ ناز! مجھ کو ذرا حوصلہ تو دے
رستے میں بیٹھ جاؤں نہ ہمت کو ہار کے

جس طرح آرزؤں میں ایک عمر کاٹ دی
اُس طرح کٹ بھی جائیں گے دن انتظار کے

خلوت کدے میں اب کہاں نغموں کی گونج ہے
پازیب اُس نے رکھ دی ہے شاید اُتار کے

کچھ حادثہ ضرور ہوا ہے ظفؔر کے ساتھ
کرتا ہے کیوں تلاش وہ رستے فرار کے

طوفان میں اگر کبھی گھِر جائیے جناب
فوراً لبوں پہ نامِ خدا لائیے جناب

ہونے کو ہے اذان، سمٹنے کو رات ہے
جا کر امیرِ شہر کو بتلائیے جناب

سب نے تو اپنے پھول کے گملے سجا لیے
گلشن کے مسئلے کو بھی سلجھائیے جناب

دوپہر کی جو حدتِ شمسی کو سہہ گیا
مت سرخیِ شفق اُسے دکھلائیے جناب

دیکھا ظفؔر کے ساتھ بہت ہم سفر بھی تھے
تنہا ہے لیکن آج وہ سمجھائیے جناب

پہلے نظامِ عدل کا سامان کیجیے
پھر قوم کی فلاح کا ارمان کیجیے

دانش ورانِ قوم! جولانا ہے انقلاب
فکر و یقیں کو مرکزِ قرآن کیجیے

پنڈت نے کہہ دیا کہ گناہوں سے خوف کیا
گنگا میں جھوم جھوم کے اشنان کیجیے

اے دخترانِ قوم! تقاضا ہے وقت کا
پیدا حسینؓ، حیدرؓ و عثمانؓ کیجیے

خیراتِ عدل بانٹنے والے کرم نواز!
ہم بھی کھڑے ہیں راہ میں کچھ دان کیجیے

دل کو فسونِ یاس نے پتھر بنا دیا
برپا ظفرؔ کوئی نیا طوفان کیجیے

اُس کا ہی اس جہان میں اونچا مقام ہے
کردار جس کا پست ہے، رنگیں کلام ہے

اس دیش ہی کا میں ہوں، نہ کیوں ناز ہو مجھے
بندہ ہوں رب کا، جس کا یہی تو پیام ہے

تہذیبِ نو کی کیسے ہر اک بات مان لوں
اس کا کلام کیا کوئی رب کا کلام ہے

پیاسا کوئی مرے، کوئی پی پی کے جان دے
ساقی! یہ تیری بزم کا کیسا نظام ہے

میرا نگر وہی ہے جہاں کی ہے ریت یہ
انساں کا خوں حلال، سگوں کا حرام ہے

میں نے خطائیں کیں، مرے غفار کر معاف
وہ میری بھول تھی اور اب یہ تیرا کام ہے

عالم کہ جس کا علم خدا ہی سے کر دے دور
اس کو تو دور ہی سے ظفرؔ کا سلام ہے

لاشیں، خون، دھماکہ کیوں؟
ارضِ امن میں ایسا کیوں؟

خون کسی کا بیش بہا
اور کسی کا سستا کیوں؟

بھوکی بستی کہتی ہے
ہر رمضاں میں عمرہ کیوں؟

مسجد ہے میراث خدا کی
پھر مسلک کا جھگڑا کیوں؟

مسجد ہے یا تاج محل
تھال پسارے چندہ کیوں؟

ہر دن عید کسی کی ہے
اور کسی کا روزہ کیوں؟

دیش کا نیتا بولو تو
چہرے پر یوں چہرہ کیوں؟

طوفاں تو دریا میں تھا
اب طوفاں میں دریا کیوں؟

چاہو تو دو خوشی سے تم الزام دوستو!
لیکن کرو خدارا نہ بدنام دوستو!

انسانیت کی فکر ہے قرآں کی سوچ میں
اتنی سی بات پہ ہوا کہرام دوستو!

رکھا تھا آستیں میں جسے، ڈس رہا ہے وہ
کیا خوب ہے خلوص کا انعام دوستو!

جس کی خوشی ہمیشہ رہا مقصدِ حیات
وہ صبح لے کے دیتا ہے کیوں شام دوستو!

بھوکا ہوں پیار کا، مجھے بس پیار چاہیے
کب یہ کہا کہ چاہیے اکرام دوستو!

روزہ، نماز، حج تو فرائض خدا کے ہیں
ان کے علاوہ اور بھی ہیں کام دوستو!

روٹی، لباس، گھر کے لیے ہوگی کب تلک
عزت کسی غریب کی نیلام دوستو!

قسمت ہے حق پسندوں کی دار و صلیب و زہر
چشمِ ظفرؔ میں بھی ہے یہ انجام دوستو!

مجھ کو اُس سے کوئی گلہ ہی نہیں
وہ مقدر میں میرے تھا ہی نہیں

آج وہ اس طرح ملا مجھ سے
جیسے پہلے کبھی ملا ہی نہیں

جب غرض تھی تو روز ملتا تھا
اب تو مجھ کو وہ سوچتا ہی نہیں

کیا سمجھ کر وہ ظلم کرتا ہے
جیسے میرا کوئی خدا ہی نہیں

اشکِ غم ہو سکے تو پی لینا
اس سے بہتر کوئی دوا ہی نہیں

اہلِ علم و ہنر ملے لاکھوں
آدمی ایک بھی ملا ہی نہیں

زندگی کیسے تجھ سے پیار کروں
تیری فطرت میں تو وفا ہی نہیں

کیوں ظفرؔ خوف کھائے لوگوں سے
رب نے ایسا کبھی کہا ہی نہیں

مقتول کے چہرے پہ جو مسکان ہوا تو
دریا نہیں، کشتی میں بھی طوفان ہوا تو

کچھ عقل کے اندھوں کی حماقت کی وجہ سے
کشمیر جو گلزار ہے، شمشان ہوا تو

ہیں چند مدارس کے سبب سانس پہ پہرے
ہر شخص کے سینے میں جو ہیجان ہوا تو

اب چور، لفنگوں سے تعلق ہے ضروری
کل ان میں کوئی دیش کا پردھان ہوا تو

تم شعر و ادب کو نہ کرو جنسِ تجارت
بدھوا بھی اگر صاحبِ دیوان ہوا تو

اس خوف سے پیچھے وہ مدارس کے پڑا ہے
پھر کوئی یہاں عاملِ قرآن ہوا تو

قسمت کا فیصلہ ہے عجب آدمی کے ساتھ
نیکی کے ساتھ کوئی تو کوئی بدی کے ساتھ

الزام دینے والے ترا شکریہ، مگر
اک بار مجھ کو پڑھ تو سہی منصفی کے ساتھ

خط اتصال کا ہے نہ کوئی ہمارے بیچ
وہ تیرگی کے ساتھ ہے، ہم روشنی کے ساتھ

اللہ اُس کو شاد رکھے، سرخ رو کرے
لوٹا ہے جس نے مجھ کو بڑی سادگی کے ساتھ

ہرماں اب اپنے لال کو درسِ حسینؓ دے
کب تک کٹے گی عمر یہاں بے بسی کے ساتھ

مولیٰ دے اب نجات تو قیدِ حیات سے
مشکل ہے اب نباہ مرا آدمی کے ساتھ

میرے خدا! یہ تجھ سے ظفرؔ کی ہے التجا
جب تک جیوں، قرآں ہی رہے زندگی کے ساتھ

❁

جینے کا ہم میں حسنِ سلیقہ نہیں رہا
آدابِ زندگی کا قرینہ نہیں رہا

سچ ہے کہ خودکشی پہ تلے ہیں تمام لوگ
یہ کیسے مان لوں کہ مسیحا نہیں رہا

ڈاڑھی، نماز اور طوافِ حرم کا شوق
سب کچھ تو ہے دلوں میں وہ تقویٰ نہیں رہا

پروا نہیں کہ لشکرِ دشمن ہے سامنے
افسوس ہے رسولؐ کا دستہ نہیں رہا

کچھ بھی غرض نہیں ہے حرام و حلال سے
حج کر چکا ہوں اب کوئی خطرہ نہیں رہا

جس نے کیا ہے غور کبھی اپنی ذات پر
اُس کی نظر میں پھر کوئی چھوٹا نہیں رہا

جب سے ظفرؔ ملا ہے خدائے رحیم سے
اُس کی نظر میں اب کوئی اپنا نہیں رہا

بن کے ہمدرد مرا مجھ سے سیاست کیسی
رات دن، شام وسحر تیری عیادت کیسی

اِس طرف ساحلِ دریا سے تغافل تیرا
اُس طرف موجِ سمندر سے تجارت کیسی

لے کے اب نامِ خدا ہم نے کمر کس لی ہے
اب بتا عقل! عزائم سے بغاوت کیسی

تو نے پتھر ہی کو سونپی ہے جو اپنی قسمت
جسم چھلنی جو ہوا ہے تو شکایت کیسی

بحر تیرا ہے ظفرؔ ساحلِ دریا بھی ترا
ریگ زاروں کے گھروندے پہ قناعت کیسی

اب تو حیوان نہ شیطان سے ڈر لگتا ہے
آج انسان کو انسان سے ڈر لگتا ہے

جس کو مسند کی تمنا ہے اُسے دے ساقی!
اب تری بزم میں پہچان سے ڈر لگتا ہے

کل تمنا تھی کہ ارمان بساؤں دل میں
آج یہ حال کہ ارمان سے ڈر لگتا ہے

آرزو دید کی گھٹ گھٹ کے رہی ہے دل میں
آپ سے تو نہیں، دربان سے ڈر لگتا ہے

جو سرِ بزم ہی کر دے ہمیں رُسوا بڑھ کر
ایسے انسان کے احسان سے ڈر لگتا ہے

اک مسلماں کو کسی کا بھی نہیں خوف ظفرؔ
صرف اللہ کے فرمان سے ڈر لگتا ہے

خوشبو، صبا کا حق تو اثاثہ کسی کا کیوں
پانی ہے سب کی مِلک تو دریا کسی کا کیوں

اے رہبرانِ ملک! بتاؤ ہے راز کیا
مہنگا کسی کا خون تو سستا کسی کا کیوں

سرحد کی جاگ جاگ کے رکھشا کرے کوئی
شاہی محل میں رین بسیرا کسی کا کیوں

پانی پٹائے، خون جلائے، دُعا کرے
سب کچھ کرے کسان تو غلّہ کسی کا کیوں

جاہل کی عقل پر تو ہے پردہ پڑا ہوا
اہلِ نظر کی سوچ پہ ٹھیکہ کسی کا کیوں

قرآں کے ساتھ وید بھی کہتا ہے یہ ظفرؔ
ارضِ حرم کسی کا ہو، قبضہ کسی کا کیوں

سارا جہان وقف ہے شیطان کے لیے
مندر میں بھی جگہ نہیں بھگوان کے لیے

دھرتی پہ شوق سے کرو ایٹم کا تجربہ
چھوڑو زمیں بھی کچھ نہیں شمشان کے لیے

شام و سحر تلاوتِ قرآں کرو، مگر
وعدے ہیں صرف عاملِ قرآن کے لیے

مرتا ہے جو سبھوں کے لیے ہے وہ آدمی
حیواں ہے جو فقط جیے سنتان کے لیے

افسوس! اُس سماج پہ عورت کی آبرو
نیلام ہوتی ہو جہاں دو نان کے لیے

برسوں سے ہے ظفرؔ کو اُسی پھول کی تلاش
جو پھول اس کو چاہیے گل دان کے لیے

خیالِ موت لیے ساتھ میں پھرو تو سہی
علاج سارے غموں کا ہے یہ سنو تو سہی

ہزار تم سے وہ روٹھا ہے اس کو ہنے دو
بس ایک بار ذرا بڑھ کے خود ملو تو سہی

حیات تم کو تو مرنے کبھی نہیں دے گی
سسک رہا ہے جو اُس کے لیے جیو تو سہی

زلیخا بن کے ہر اک شخص تم کو چاہے گا
بنو تو یوسفِ کنعاں، ذرا بنو تو سہی

اگر سکون سے جینا ہے تم کو دنیا میں
نظر میں اسوۂ شاہِ رسل رکھو تو سہی

تم احتساب تو کرتے ہو سب کے کاموں کا
یہی سوال ظفرؔ خود سے بھی کرو تو سہی

جو شخص سیم و زر کے اثر سے بچا نہیں
تاریخ دیکھ لو، وہ کہیں کا رہا نہیں

کشتی ڈبونے والے! تو کشتی ڈبو کے دیکھ
کشتی کا ناخدا ہے تو، لیکن خدا نہیں

لاشوں کے ڈھیر، جلتے مکاں، سونی بستیاں
حالات کہہ رہے ہیں وطن کی بقا نہیں

گر ہو سکے تو بھیج دے موسیٰ کو پھر خدا!
صدیوں سے نیل میں کوئی طوفاں اٹھا نہیں

کچھ راز اس میں ہے جو وہ مجھ کو نہ مل سکا
اے مالکِ جہان! ترے پاس کیا نہیں

وہ پس رہا ہے گردشِ آلام میں ظفرؔ
اس کا سبب وہ خود ہے، کوئی دوسرا نہیں

آج پلکوں پہ مرے اشک سنور جانے دو
ایک چڑھتا ہوا دریا ہے اُتر جانے دو

زخم اک اور نیا بعد میں دے لینا تم
جو دیا ہے مجھے پہلے اُسے بھر جانے دو

کاش! ہوتا میں سمندر تو بہت کچھ دیتا
میں تو شبنم ہوں سرِ فرش بکھر جانے دو

آپ تسلیم کل انسان کرے گا رب کو
آج اُسے عقل کی سرحد سے گزر جانے دو

کیا ضروری ہے ابھی چارہ گری ہو ان کی
بھوک سے پہلے غریبوں کو تو مر جانے دو

دوستو! اور نہ احسان کرو تم مجھ پر
میں بہت ٹوٹ چکا، مجھ کو بکھر جانے دو

کس نے تاکا، کس نے مارا، یہ کہانی پھر کبھی
کون عدو ہے، کون پیارا، یہ کہانی پھر کبھی

ساحلِ دریا پہ سب تھے اور میں لہروں کے بیچ
میں نے کس کس کو پکارا، یہ کہانی پھر کبھی

میری بربادی پہ روئی ساری دنیا پھوٹ کر
وہ تھا کیوں محوِ نظارا، یہ کہانی پھر کبھی

اُس نے طوفانوں سے مل کر کی تھی گہری سازشیں
مل گیا کیسے کنارا، یہ کہانی پھر کبھی

یوں تو ہم نے ہر قدم پر مات کھائی ہے، مگر
کون جیتا، کون ہارا، یہ کہانی پھر کبھی

هم لہو سے کھیت سینچیں اور تم دانے چنو
حق ہمارا یا تمہارا، یہ کہانی پھر کبھی

کل تو بزمِ دوستاں میں وقت کٹتا تھا مرا
آج کیوں سب سے کنارا، یہ کہانی پھر کبھی

حشر میں رب سے کہوں گا اس لیے چپ چاپ ہوں
کس نے توڑا دل ہمارا، یہ کہانی پھر کبھی

سامنے اُس کے ظفرؔ کیوں کر پڑھے کوئی غزل
بھید کھل جائے گا سارا، یہ کہانی پھر کبھی

سارے بتوں کا پہلے تو انکار کر کے دیکھ
پھر اُس کے بعد ایک کا اقرار کر کے دیکھ

اے واعظِ شفیق! بدل جائے گا سماج
قول و عمل سے حق کا تو اظہار کر کے دیکھ

قلبی سکون کی ہے تمنا اگر تجھے
چھوٹے بڑے ہر ایک سے تو پیار کر کے دیکھ

گمراہیوں کی فوج صف آرا ہوئی تو کیا
صوم و صلوٰۃ و صبر کو ہتھیار کر کے دیکھ

جب بھی کسی کے بیچ ہوں آثار جنگ کے
راہِ وفا و صلح کو ہموار کر کے دیکھ

پیغام جب کسی کو دے غارِ حرا کا تو
حکمت سے اور پیار سے گفتار کر کے دیکھ

گر چاہتا ہے راہِ تمنا ہو شکِ خلد
سوئے ہوئے شعور کو بیدار کر کے دیکھ

حسنِ عمل کا دنیا صلہ دے گی کیا ظفرؔ
لینا اگر ہے رب سے تو اصرار کر کے دیکھ

چہرہ اُس آدمی کا عجب سا لگا مجھے
مرجھایا سا دلہن کا وہ سہرا لگا مجھے

یہ جانتے ہوئے بھی کہ اچھا نہیں ہے وہ
پھر بھی نہ جانے کیوں وہی اچھا لگا مجھے

چھایا گہن تو سب نے ہی چہرے چھپا لیے
تنہا ہوں میں جہان میں، ایسا لگا مجھے

افسوس! جس کے ہاتھ ہوا قتل دوستو!
برسوں تلک وہی تو مسیحا لگا مجھے

تشنہ لبی کو میری نہ قطرہ بھی اک ملا
کہتا میں کس طرح کہ وہ دریا لگا مجھے

وہ شخص محفلوں میں جو باغ و بہار تھا
دیکھا جو دل میں جھانک کے، بکھرا لگا مجھے

اپنی قد آوری پہ ظفرؔ جس کو ناز تھا
وہ شخص بھی تو بزم میں بونا لگا مجھے

ہر گام پر حیات میں محرومیاں نہ ہو
کردار میں تمہارے اگر خامیاں نہ ہوں

چین اور سکوں تو اُس کا مقدر ہے دوستو!
جس کے بھی دل میں حرص کی چنگاریاں نہ ہوں

خواہش بقائے نسل کی ہے تو رہے خیال
گھر میں حرام رزق کی سرگرمیاں نہ ہوں

اک سمت ہے خیال کہ عورت جنم نہ لے
اک سمت اس کی فکر کہ حق تلفیاں نہ ہوں

سجدے ہوں یا کہ صدقے وہی باریاب ہیں
جن میں دکھاوے اور ریاکاریاں نہ ہوں

تہذیبِ نو کی چال ہے سر پر مرے جناب!
انسانیت کے درد کی پرچھائیاں نہ ہوں

تکیہ ہے جب ظفرؔ کا خدا پر تو فکر کیا
تن پر لباس، گھر میں اگر روٹیاں نہ ہوں

کسی کے واسطے گر خود کو وہ مٹا دے گا
نئی حیات اُسے پھر مرا خدا دے گا

بھنور سے مجھ کو تو موجیں بچا بھی سکتی ہیں
یہ آدمی ہے، ڈبو کر مجھے مٹا دے گا

خدا کرے مرے دشمن کو عمرِ خضر ملے
وہی تو مجھ کو مری کج روی بتا دے گا

امیرِ شہر سے بھی حرفِ حق ہی کہتا ہوں
گو جانتا ہوں وہ مجھ کو کڑی سزا دے گا

جو آج تک مجھے دیتا رہا خدا ہے مرا
مجھے یقین ہے کل بھی وہی خدا دے گا

سبھوں کو چھوڑ کے بس رب سے رابطہ کر لے
ظفرؔ وہ تجھ کو تری چاہ سے سوا دے گا

عجیب پیار کی مجھ کو ملی سزا لوگو!
مجھے حیات کی دیتے ہیں سب دعا لوگو!

ہمارے سر پہ کڑی دھوپ ہے تو کیا پروا؟
ہمیں وہ ابر کا چہرہ دکھا گیا لوگو!

کسی بھی موڑ پہ مجھ کو حیات مل نہ سکی
قدم قدم پہ ملی ہے مگر قضا لوگو!

اُسی نے مجھ کو مسل کر زمیں پہ پھینک دیا
میں جس کی زلف میں برسوں رہا سجا لوگو!

جو دیکھنا ہے تو دیکھو صفِ نماز میں یہ
جہاں نہ کوئی ہے چھوٹا نہ ہے بڑا لوگو!

مقابلے میں ہو فوجِ عظیم کیا پروا؟
ظفرؔ کے واسطے کافی ہے اک خدا لوگو!

اقرار کا دھڑکا ہے نہ انکار کا دھڑکا
ہے اُس کی ہر اک بات پہ اصرار کا دھڑکا

ہر شخص کے خوابوں میں مسائل کے ہیں انبار
نیتا کو فقط صبح کے اخبار کا دھڑکا

رہزن کی تو فطرت ہی سدا راہ زنی ہے
مجھ کو تو ہے بس صاحبِ کردار کا دھڑکا

لیڈر کو نئی نسل کی تعلیم کی ہے فکر
ہم اہلِ بصیرت کو ہے کردار کا دھڑکا

اللہ اور انسان میں یہ فرق ظفرؔ ہے
ہم کو ہے شجر کا، اُسے اشجار کا دھڑکا

آنکھ قاتل سے جو ملاتا ہے
اُس کو مقتل امر بناتا ہے

حاکمِ شہر ظلم ڈھاتا ہے
موت کو اپنی وہ بلاتا ہے

زندگی کو حسیں بناتا ہے
دشت کو جو چمن کھلاتا ہے

گن نہیں سکتے اُس کے زخموں کو
زخم کھا کر جو بھول جاتا ہے

کیسا ہے کارخانہ دنیا کا
کوئی آتا ہے، کوئی جاتا ہے

اُس قلی کا قلی بنا یارب!
جو مدینہ سفر کو جاتا ہے

مل گیا کیا ظفرؔ کو قرآں سے
ہر کوئی اُس کو منہ لگاتا ہے

کب کسی کو برتری یا کمتری اچھی لگی
تجربہ ہے درمیانی زندگی اچھی لگی

سامنے نظروں کے لہراتے تھے آنچل نو بہ نو
مجھ کو لیکن ماں کی میلی اوڑھنی اچھی لگی

دوستوں کی دوست داری دیکھ کر اکثر مجھے
دشمنوں کی صاف ستھری دشمنی اچھی لگی

ثروت و دولت تو دشمن ہیں سکونِ قلب کے
چین سے جینے کی خاطر مفلسی اچھی لگی

فیصلہ ابلیس و آدم کا اسی بابت ہوا
سرکشی اِس کو، تو اُس کو عاجزی اچھی لگی

روشنی نے کر دیا آنکھوں کو خیرہ اس طرح
راہ میں ہر ہر قدم پر تیرگی اچھی لگی

اُس کی فرقت میں ظفرؔ دل تو سدا دھڑکا کیا
لیکن اُس کی یہ ادائے برہمی اچھی لگی

جو ہمیں روز ڈراتا تھا بلاؤں کی طرح
کیوں وہی لب پہ مچلتا ہے دعاؤں کی طرح

کیا کہے گا یہ جہاں تیری طلب میں اے دوست!
میں بکھر جاؤں جو صحرا میں صداؤں کی طرح

فکرِ دوزخ وہ کرے جس نے سمیٹی دنیا
زندگی ہم نے تو کاٹی ہے سزاؤں کی طرح

فقر نے سر کو نہ جھکنے دیا اُن کے در پر
مجھ سے جو ملتے ہیں اے دوست! خداؤں کی طرح

جو تھا اُجڑے ہوئے لوگوں کے لیے جائے اماں
آج آوارہ وہ پھرتا ہے ہواؤں کی طرح

آزمائش ہے مری یا ہے گناہوں کی سزا
زندگی ہم پہ مسلط ہے بلاؤں کی طرح

اُس کی راہوں میں ظفرؔ کیوں نہ اُجالا ہوگا
آبِ قرآن جو پیتا ہے دواؤں کی طرح

خلوص کا جو دِیا ضو فشاں نہیں ہوتا
خدا کا فیض بھی شامل وہاں نہیں ہوتا

جو غیرتوں کی رِدا منہ پہ ڈھانپے رہتا ہے
کبھی وہ بندۂ اہلِ جہاں نہیں ہوتا

خزاں ہو، فصلِ بہاراں کہ موسم باراں
کرم کا ابر تو قیدِ زماں نہیں ہوتا

حرم ہو دیر، کلیسا ہو یا کوئی درگاہ
خدا کے نام کا سودا کہاں نہیں ہوتا

ہراک نصاب تو بچپن ہی میں مکمل ہے
جدید دور کا بچہ جواں نہیں ہوتا

وہ کیسے اُترے گا دل میں جہان والوں کے
زباں میں جس کی بھی حسنِ بیاں نہیں ہوتا

خدا کے در پہ فقط سر نہیں، جھکے دل بھی
عمل خلوص کا نذرِ زیاں نہیں ہوتا

کہتا ہوں کب نہ صبح کی فکرِ مدام ہو
لازم ہے اس کے ساتھ ہی احساسِ شام ہو

جو ہو سکے تو اُس سے قیادت ہی چھین لو
جس کی نظر میں ہر گھڑی مالِ حرام ہو

دینا ہے جو دعا تو ہمیں یہ دعا دو بس
عقبیٰ سنوارنے ہی کی فکرِ دوام ہو

مغرب بنامِ علم یہی چاہتا ہے بس
فکر و عمل میں اُس کا زمانہ غلام ہو

ہے خوابِ اتحادِ اُمم، اور یہ حال ہے
مسجد الگ، الگ ہی ہمارا امام ہو

جہد و عمل سے ملتی ہے فتح و ظفر کی راہ
میں چاہتا ہوں نسخہ عمل کا یہ عام ہو

اب یہ دعا ظفرؔ کی ہے جب تک رہے حیات
صحنِ حرم ہو، وہ ہو، خدا کا کلام ہو

جو رب کے سوا اور پہ تکیہ نہیں کرتے
وہ گھوم کے پیچھے کبھی دیکھا نہیں کرتے

ہم اہلِ نظر محرمِ اسرارِ نہاں ہیں
سر اپنا ہر اک در پہ جھکایا نہیں کرتے

جو لوگ ریاکار نہیں، راہِ خدا میں
گھر بار لٹا کر بھی وہ چرچا نہیں کرتے

جو راہِ خدا میں ہیں ہتھیلی پہ لیے سر
وہ تیغ و سناں کی کبھی پروا نہیں کرتے

جو صاحبِ اوصافِ حمیدہ ہیں جہاں میں
ہر شخص میں وہ عیب نکالا نہیں کرتے

ہم لوگ سدا خلق و مروّت کے ہیں بندے
جانوں پہ بھی بن آئے تو شکوہ نہیں کرتے

مسکین حقیقت میں اُنہیں کہیے ظفرؔ، جو
مر جاتے ہیں، خود کو کبھی رُسوا نہیں کرتے

ہے کتابوں میں اونچا لکھا آدمی
جب بڑھا حد سے، آخر گرا آدمی

اب بھی عہدِ جہالت کی تصویر ہے
کیا پڑھا آدمی، اَن پڑھا آدمی

آج افسوس اِس کا تعارف ہے یہ
خود غرض، مطلبی، بے وفا آدمی

جہل، آبادیاں، زر، مکاں، روٹیاں
مسئلے یہ نہیں، مسئلہ آدمی

بھیڑ دانش وروں کی تو ہے ہر طرف
اُن میں لیکن نہ کوئی ملا آدمی

اس لیے ہر قدم پر ہیں ناکامیاں
کل خدا تھا خدا، اب خدا آدمی

جب یہ پھسلا تو پاتال میں جا گرا
اور جو سنبھلا فلک تک گیا آدمی

پوری تاریخ میں بس حلیمہ کے گھر
اک مکمل، مرصع ملا آدمی

کیوں ظفرؔ بے وفائی کا ماتم کرے
زیست کی راہ میں کھو گیا آدمی

زندگی میں خوشی تلاش نہ کر
دھوپ میں چاندنی تلاش نہ کر

چاہے جیسے ہوں محترم ہیں وہ
عیب اُن میں کبھی تلاش نہ کر

آج کی یہ ترقیِ معکوس
موت میں زندگی تلاش نہ کر

نورِ غارِ حرا ہی کافی ہے
اور کوئی روشنی تلاش نہ کر

گُن بہت ہیں جنابِ واعظ میں
ان میں بس آدمی تلاش نہ کر

کربلا کی زمین کہتی ہے
مجھ میں تو بزدلی تلاش نہ کر

جو ظفرؔ ہو رہینِ غازہ وہاں
چہرۂ صندلی تلاش نہ کر

عورت جو مسیحا تھی، اب زہر پلاتی ہے
کل گھر کو سجاتی تھی، اب جسم سجاتی ہے

تم گورِ غریباں میں فرصت جو ملے جانا
سوئے ہوئے لوگوں کو خوابوں سے جگاتی ہے

کٹیائیں غریبوں کی سکھ چین کا مسکن ہیں
صحبت تو امیروں کی بے چین بناتی ہے

سوئی ہوئی ملت کو یہ بات بتا دینا
تحریک جگاتی ہے، تنظیم جِلاتی ہے

مسجد ہی تو قبلہ ہے، بکھری ہوئی ملّت کو
ہر روز ملاتی ہے، اک در پہ جھکاتی ہے

انداز نرالا ہے دنیائے تمدن کا
جو دیتا ہے جاں اس پر اُس کو ہی نچاتی ہے

کیا خوف ظفرؔ مجھ کو تحریر سے ہاتھوں کی
اللہ کا بندہ ہوں، کیوں آنکھ دکھاتی ہے

کسی کے دل کے دُکھنے کی صدا محسوس ہوتی ہے
برسنے کو ہے اب شاید گھٹا محسوس ہوتی ہے

غریبی جوڑ لیتی ہے کسی انساں سے جب ناتا
اُسے بچوں کی پیدائش بلا محسوس ہوتی ہے

کبھی جب ڈاک لے کر ڈاکیہ آتا ہے دفتر میں
تو اُس دم گاؤں کی ٹھنڈی ہوا محسوس ہوتی ہے

یقیناً پھر حرا سے چلنے والی ہے کوئی خوشبو
جوانوں میں بھی اب فکرِ خدا محسوس ہوتی ہے

کسی مفلس کی بیٹی جس گھڑی جاتی ہے ڈولی میں
مجھے بیٹی کی وہ ٹھنڈی چتا محسوس ہوتی ہے

نئی تہذیب کے ماتھے پہ یورش ہے جو کرنوں کی
زمانہ جو بھی سمجھے بدنما محسوس ہوتی ہے

ظفرؔ مایوسیاں ہر ہر قدم پر یوں ڈراتی ہیں
کہ اپنی زندگی بھی اب بلا محسوس ہوتی ہے

شریکِ راہِ ہستی کی یہی بس لب حقیقت ہے
مصیبت ہے، مصیبت ہے، مصیبت ہی مصیبت ہے

پلٹ ڈالے جو کایا بزمِ امکاں کی، وہ سن رکھو
شریعت ہے، شریعت ہے، شریعت ہی شریعت ہے

بچایا جس نے جھکنے سے مجھے ہر آستانے پر
حمیت ہے، حمیت ہے، حمیت ہی حمیت ہے

میں کیسے ڈوب جاؤں گا، مجھے گھیرے بزرگوں کی
نصیحت ہے، نصیحت ہے، نصیحت ہی نصیحت ہے

جہاں میں جس کا ہے جو کچھ، یقیں جانو وہ قدرت کی
ودیعت ہے، ودیعت ہے، ودیعت ہی ودیعت ہے

ہمالہ ہو نہ گنگا ہو، مگر تخلیقِ انساں تو
فضیلت ہے، فضیلت ہے، فضیلت ہی فضیلت ہے

ظفرؔ کے پاس تو کچھ بھی نہیں، لیکن جو قرآں ہے
غنیمت ہے، غنیمت ہے، غنیمت ہی غنیمت ہے

دنیا میں تو رہنا مولا! اب ہے دور از کار بہت
چھوڑ کے اس کو کیسے بھاگوں اونچی ہے دیوار بہت

اُس کی وفاداری کے حق میں اُس کی مانوں یا دل کی
ایک طرف اقرار بہت ہے، ایک طرف انکار بہت

شہر میں کس نے یوں دم توڑا، ساری دنیا چیخ رہی ہے
جانے والے رُک جا رُک جا، روتا ہے سنسار بہت

تن ہے اُس کا صبحِ بنارس، من کوفہ کی کالی راتیں
جیسے صندل کی وادی میں سانپوں کا بھنڈار بہت

گاؤں میں جا کر کوئی اتنا کہہ دے جھونپڑ والوں سے
جھونپڑ میں ہے تھوڑی اُلجھن، محلوں میں افکار بہت

عیش پرستی، نفرت، کینہ، بغض وحسد ہے اس کا مذہب
پھر وہ کیوں کرتا ہے لوگوں سجدوں کا انبار بہت

کب تک بھٹکے راہِ طلب میں یونہی مولا! تیرا ظفرؔ
درد و الم کی اس نگری میں جینا ہے دشوار بہت

میں پلٹ آؤں گا اک بار بلاؤ تو سہی
ایک دیپک بھی تعلق کا جلاؤ تو سہی

تم کو دکھلائیں گے ہم چین سے سونا کیا ہے
ہم غریبوں کے یہاں رات کو آؤ تو سہی

انگلیاں آج بھی کاٹیں گی حسینانِ محل
حسنِ یوسف کا ذرا جلوہ دکھاؤ تو سہی

ایک ہی عید غریبوں کی مگر کیا کہنا
تم بھی اک عید اسی طرح مناؤ تو سہی

تم نے شاہوں کے مزارات سجا رکھے ہیں
اپنے اسلاف کی قبروں کو بچاؤ تو سہی

جو مسائل ہیں تمہارے وہ سنور جائیں گے
اہلِ کربل کی طرح جان لٹاؤ تو سہی

صاحبِ علم و قلم تم نے بنایا تو ظفرؔ
اپنے بچوں کو مسلمان بناؤ تو سہی

کیوں پوچھتے ہیں کس نے ظفرؔ کو پناہ دی
بالغ نظر نے کور نظر کو پناہ دی

خوش بخت وہ زمین کا خطہ ہے دوستو!
جس نے مہاجرانِ سفر کو پناہ دی

ہم نے ستم کے بدلے تو ڈھائے نہیں ستم
ہے یہ خطا کہ دست نگر کو پناہ دی

کس کی مجال روک لے اُس کے قدم کوئی
جس نے بھی دل میں علم و ہنر کو پناہ دی

بن کر اڑا ہے دھول وہ کہنے کو ہو پہاڑ
جس نے بسایا مکر کو، شر کو پناہ دی

اُس کے ہی فکر و فن کا نتیجہ فساد ہے
جس نے خلافِ عقل خبر کو پناہ دی

صدقہ ہے بس تلاوتِ قرآن پاک کا
اس نے فساد و شر سے ظفرؔ کو پناہ دی

قرآن کے اوراق میں یہ صاف لکھا ہے
جو حاملِ تقویٰ ہے وہی سب سے بڑا ہے

اک بندۂ معصوم جو زنداں میں پڑا ہے
سوچو تو یہ ناکردہ گناہی کی سزا ہے

ہر شخص سے کیوں آپ کو امیدِ وفا ہے
صادق کہیں، جعفر کہیں محفل میں چھپا ہے

ہوتا ہے سر افراز وہی رحمتِ حق سے
فطرت میں نہیں جس کی کوئی مکر و ریا ہے

فرمان خدا کا ہے ضرور اُس کی نظر میں
مقتل میں بھی جو حق کی حمایت پہ ڈٹا ہے

ہٹ کر جو اصولوں سے کرے نفس کی پوجا
تاریخ ہے شاہد وہی گمراہ ہوا ہے

اے دورِ حزیں عہدِ رسالت میں پہنچ جا
کس فکر میں ڈوبا ہے تو کیا سوچ رہا ہے

یوں علم تو ہے محنت و کاوش کا نتیجہ
قرآن جو سینے میں ہے قدرت کی عطا ہے

ہر ایک سے امیدِ وفا اب نہیں رکھنا
ہر غول میں اک جعفرِ بنگال چھپا ہے

وہ بندۂ مومن ہے ظفرؔ لائقِ تکریم
ہر حال میں جو دوستو! راضی بہ رضا ہے

جنگل میں یہ شور بپا ہے آج کا انساں ایسا کیوں؟
اوپر اُجلا دودھ سے زیادہ، اندر سے یہ گدلا کیوں؟

خود کو سمجھتا ہے وہ مہذب، خود کو کہتا ہے وہ عالم
پھر بھی اداکاری وہ لوگوں ہر محفل میں کرتا کیوں؟

حج کا موسم، خلد کا منظر اللہ اللہ سب کے لب پر
شہرِ منیٰ پھر آگ کا دریا، بول رے حاجی ایسا کیوں؟

اک امریکی فوج سے بڑھ کر ایک عراقی پوچھ رہا تھا
میرے وطن کا پانی مہنگا، خون ہے میرا سستا کیوں؟

کل تھی عورت ان پڑھ لیکن خیر کی دیوی سیتا جیسی
علم وفن کی آج ہے ملکہ لیکن شر کا چشمہ کیوں؟

کل سے زیادہ دانش گاہیں، علم و ادب کا چرچا بھی
اور سہولت بھی ہے وافر، علم ہے پھر بھی مہنگا کیوں؟

حالت کا احساس ہے اُس کو وہ ہے ناصح اور نہ پاگل
اب یہ سمجھا میں نے آخر تلخ ظفرؔ کا لہجہ کیوں؟

میں ہوں رات کی سیاہی، وہ ہے پیکرِ سویرا
وہ نشانِ فکر و ہلچل، میں تھکے ہوؤں کا ڈیرا

تو یہ صاف صاف سن لے جو ہے فرق تجھ میں، مجھ میں
مجھے درد ہے سبھوں کا، تجھے درد صرف تیرا

مجھے جس نے مجھ سے مانگا، جسے میں نے خود کو سونپا
یہ کھلا ہے بھید اب وہ، نہ تھا دوست، تھا لٹیرا

میں چھڑاؤں کس سے دامن، میں گلے لگاؤں کس کو
مجھے چاہتا سمندر، مجھے سوچتا جزیرا

یہ ہمارے بیچ ریکھا، ہے نصیب کا کرشمہ
نہ قصور کوئی تیرا، نہ قصور کوئی میرا

ظفرؔ آرزو سمجھ کر جسے میں نے صبح دی تھی
وہی ڈھونڈتا ہے مجھ کو لیے رلت کا اندھیرا

اپنی قربت سے مجھے بھی تو منور کر دو
خار کب تک میں رہوں، مجھ کو گلِ تر کر دو

در بدر پیار کی خیرات کہاں تک مانگوں!
اب مجھے تم ہی تو کچھ دے کے تونگر کر دو

بھولے بھٹکے تو کبھی خواب میں آ کر میرے
مجھ کو اک رات مقدر کا سکندر کر دو

تم سخی داتا ہو میں نے یہ سنا ہے سب سے
مجھے قطرے سے جو ممکن ہو سمندر کر دو

چاہتے ہو جو ہر اک چوٹ تمہاری سہہ لوں
پھر ظفرؔ کو تو کسی راہ کا پتھر کر دو

تمہاری بے رخی کو تم ہی بتلاؤ کہ کیا سمجھوں
حیا سمجھوں، ادا سمجھوں، جفا سمجھوں، قضا سمجھوں

ہو تم شہکار قدرت کا زمانے کا یہ کہنا ہے
نہ کیوں حسنِ عمل کا میں تمہیں اپنا جزا سمجھوں

حرم کو جانے والو! یہ خدا سے پوچھ بھی لینا
اُسے سمجھوں خدا، یا اُس کے بندوں کو خدا سمجھوں

دعا ہے جب تلک زندہ رہوں دنیا میں اے مولا
محمدؐ کو پیمبر اور تجھ کو میں خدا سمجھوں

ظفرؔ بحرِ الم کو اور یہ سیلِ حوادث کو
میں رب کا امتحاں یا پھر گناہوں کی سزا سمجھوں

حلیف مجھ کو وہ لگتا ہے کیا کیا جائے
عدو جو مجھ کو سمجھتا ہے کیا کیا جائے

ہے جس کی ذات سے انسانیت کا تن مجروح
وہ ہر مقام پہ سجتا ہے کیا کیا جائے

کسی سے عہدِ وفا جب کوئی بھی کرتا ہے
ہمارا قلب دھڑکتا ہے کیا کیا جائے

ہزار بار مجھے جس نے آزمایا ہے
وہ مجھ کو آج بھی پڑھتا ہے کیا کیا جائے

وہ چشمِ تر جو کسی بحر سے نہیں کمتر
وہ اس نگر ہی میں رہتا ہے کیا کیا جائے

وہ آدمی جسے دشمن سبھی سمجھتے ہیں
ظفرؔ کو دوست سمجھتا ہے کیا کیا جائے

چھوٹی موٹی بات کو دفتر مت سمجھو
ذرّوں کو تم بھاری پتھر مت سمجھو

جو ہیں صوفی اُن کی عزت لازم ہے
لیکن سب کو پیر، قلندر مت سمجھو

جو بھی طوفاں آئے سوچو وقتی ہے
اس کو کالی رات کا لشکر مت سمجھو

کون سا قطرہ کل اک دریا بن جائے
آج کسی کو خود سے کمتر مت سمجھو

رہبر، قائد، واعظ، ناصح لاکھوں ہیں
سب کو تم کعبے کا پتھر مت سمجھو

نظمیں

قرآن کی آپ بیتی

قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا
سرکارِ دوعالمؐ کی بھی آنکھوں کا ہوں تارا

پہلے میں رہا "تختیِ محفوظ" میں صدیوں
پھر رکھا گیا قصر میں "معمور" کے برسوں
جبریلؑ نے پھر قلبِ محمدؐ میں اُتارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

عباسؓ نے باندھی مجھے تفسیر کی پگڑی
تجوید سے نافعؒ نے سجائی مری نگری
عاصمؒ کی تلاوت نے مرا حسن نکھارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

عثمانؓ سے ہر شہر میں شہرت ملی مجھ کو
حسنینؓ کے ابو سے فضیلت ملی مجھ کو
صدیقؓ نے بھی مجھ کو بہر طور سنوارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

ہونے کو چلا تھا جو جہنم کا نوالہ
تاریخ گواہ اُس کو ملا رتبۂ اعلیٰ
فاروق سے پوچھو کہ دیا کس نے سہارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

مامون نے جب چاہا مری شکل بدل جائے
حنبلؒ لیے سر اپنا ہتھیلی پہ نکل آئے
ہر ظلم کیا میرے لیے ہنس ہنس کے گوارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

صدیوں سے رہا دشمنِ جاں میرا زمانہ
جتنا مجھے چاہا گیا دنیا سے مٹانا
اتنا ہی تو چمکا مری قسمت کا ستارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

ظالم کو ہر اک ظلم سے میں نے ہی چھڑایا
مظلوم کا بھی عزم و یقیں میں نے بڑھایا
ہے ذات مری رشد و ہدایت کا منارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

ہر کام مرے حکم سے کرنا ہی ہے نیکی
پڑھنا مجھے نیکی ہے، تو سننا بھی ہے نیکی
ہر بحرِ الم کا ہوں فقط میں ہی کنارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

تاتاریوں نے مجھ کو سمندر میں بہایا
انگریزوں نے بڑھ کر مرے نسخوں کو جلایا
پھر بھی ہے سلامت مرا ہر سورہ و پارا
قرآں ہے مرا نام، ہوں اللہ کا پیارا

پیرِ حرم

اے پیرِ حرم چھپ کے ذرا اپنی دکاں دیکھ
طاغوت ہے ان بھگتوں کی فطرت میں نہاں دیکھ

اللہ تیری شعلہ بیانی کا صلہ دے
فرصت جو کبھی پائے، تو اپنا بھی مکاں دیکھ

مسجد میں معمر ہی نظر آتے ہیں اب تو
سڑکوں پہ بہ اندازِ دگر رقصِ جواں دیکھ

ایمان کی قندیل ہوئی جس سے فروزاں
ہے آج یقیں اُس کا بھی محصورِ گماں دیکھ

دامن میں تو دن کے تھا اماں اُس کے لیے کل
اب رات کے پہلو میں ہے شمشیر و سناں دیکھ

ہر وقت جو گاتا تھا کبھی فتح کا نغمہ
اب اُس کے لبوں پر ہے فقط آہ و فغاں دیکھ

جس باغ کی کلیاں بھی کبھی رشکِ جناں تھیں
مدّت سے وہی باغ ہے تصویرِ خزاں دیکھ

ڈر ہے کہ نہ اسلام کہیں گھر سے نکل جائے
اب دیر میں ہونے کو ہے مسجد کی اذاں دیکھ

تنقید نہ تضحیک، یہ احساس ہے میرا
انصاف کی عینک سے مرا طرزِ بیاں دیکھ

قومِ مسلم

تری تھی دور بینی وہ، جدھر دیکھا اُدھر تو ہے
تری کوتاہ بینی ہے کہ اب گردِ سفر تو ہے

شہادت اس کی دیتا ہے سفر افلاک کا تیرا
بلایا اس لیے رب نے کہ محبوبِ نظر تو ہے

سبھوں کا ایک ہی خالق، سبھی مخلوق ہیں اُس کی
جسے شاہِ اُمم کا تاج بخشا وہ بشر تو ہے

اگرچہ اور بھی رستے ہیں قدرت تک پہنچنے کے
جو منزل کی طرف جائے وہی سچی ڈگر تو ہے

نشیلی رات اگر لوری سناتی ہے زمانے کو
تو اُس تاریک شب میں گونجتی بانگِ سحر تو ہے

اگر باطل اٹھائے سر، اُسے تاراج کرنے کو
تو ہی آندھی، تو ہی طوفاں، تو ہی شعلہ، شرر تو ہے

جہانِ آب وگل میں ہے تجھی سے زندگی رقصاں
تو ہی جگنو، تو ہی تارا، تو ہی سورج، قمر تو ہے

بہارِ زندگی کا ہے یہی اتنا فسانہ بس
چمن تو ہے، پون تو ہے، شجر تو ہے، ثمر تو ہے

تری جاگیر تھی دنیا، قیادت تیرا منصب ہے
بلندی تیرا مسکن تھا مگر بتلا کدھر تو ہے

سچ ھے کہ نہیں؟

[پیرومرشد حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندویؒ کے سانحہ ارتحال پر]

بوالحسنؒ پیکرِ قرآن تھے، سچ ہے کہ نہیں؟
کملی والے کی وہ پہچان تھے، سچ ہے کہ نہیں

اک طرف دولت و اعزاز کا اک سیل رواں
اک طرف سب سے وہ انجان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

دین و ایماں کو بچاتے رہے طوفانوں سے
مذہبِ حق کی وہ چٹان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

خاک پہ رہ کے اک عالم پہ حکومت کی ہے
اصل میں تو وہی سلطان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

کوئی عالم، کوئی قائد، کوئی عامل تھا، مگر
وہ ہر اک گل کے گلستان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

زر، زمیں، زن کے محافظ تو سبھی ہیں یارو!
وہ تو ملّت کے نگہبان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

ملک و ملت کے لیے روتے رہے ہر لمحہ
ایک ہمدرد وہ انسان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

اُن کے بارے میں یہ کہتی ہے کلیدِ کعبہ
بابِ کعبہ کے وہ دربان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

صرف تاریخ، ادب اور احادیث نہیں
وہ ہر اک علم کی پہچان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

میں نہ فاضل، نہ محدث ہوں نہ تاریخ نگار
وہ مگر صاحبِ ذی شان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

پچھلے سو سال کا کہنا ہے، ظفرؔ ہی کا نہیں
منفرد ایک وہ انسان تھے، سچ ہے کہ نہیں؟

☆☆

شاہینِ اسلام

زمیں ہے تنگ، آگے بڑھ، گگن بن جا، تقاضا ہے
سویرا ہونے والا ہے، کرن بن جا، تقاضا ہے

ترا پیغام اُلفت ہے اسے پھیلا زمانے میں
مگر اہلِ ستم کا تو کفن بن جا، تقاضا ہے

بنا رکھا ہے باطل نے جہاں کو آگ کا دریا
کلام اللہ کہتا ہے چمن بن جا، تقاضا ہے

خدا کا نام لینے پر صلیب و دار کا کھٹکا
حرم میں بڑھ کے فاروقی سخن بن جا، تقاضا ہے

صبا مکّے سے تیرے نام یہ پیغام لائی ہے
سمیہ اور یاسر کا بدن بن جا، تقاضا ہے

ترے دشمن ہیں بحر و بر، تو ہے مرغِ شکستہ پر
بزرگوں کی طرح تو صف شکن بن جا، تقاضا ہے

اگر بچنا ہے عہدِ نو کے فتنوں سے تو مجھ سے سن
رہِ نو میں بزرگوں کا چلن بن جا، تقاضا ہے

حسین ابن علیؓ بن جا کہیں جو ظلم للکارے
جہاں پر مصلحت جھانکے حسن بن جا، تقاضا ہے

ظفرؔ کی آرزو یہ ہے، سلگتے ریگ زاروں میں
مرے شاہیں، ہمالہ کی پون بن جا، تقاضا ہے

دخترانِ ملّت

شریعت کی نظر میں تو بہت ہی بیش قیمت ہے
تو ہے اسلام کی بیٹی، ترے قدموں میں جنت ہے

یہی منشائے فطرت ہے کہ کوئی راز ہے اس میں
نبی کوئی نہیں تجھ میں مگر کشتِ نبوت ہے

کلامِ بزمِ ہستی کا تو ہی مطلع، تو ہی مقطع
یہی حکمِ شریعت ہے، یہی آئینِ فطرت ہے

کبھی سوچا کہ اپنا حال کیسا کرلیا تو نے
تو ہی ہے عظمتِ حوا، تو ہی اعزازِ ملّت ہے

حدوں کو توڑ کر اسرافِ بے جا رات دن کرنا
یہی ہے باعثِ ذلت، یہی تو وجہِ نکبت ہے

نقوشِ جسم کی اپنے نمائش ہر جگہ کرنا
نہ تھی خصلت کبھی تیری، مگر اب تیری فطرت ہے

کہیں تضحیک مذہب کی، کہیں تذلیل خالق کی
کہیں شر کی فسوں کاری، کہیں باطل کی مدحت ہے

ہوئی ہے بھول تجھ سے کس جگہ سوچا بھی ہے تو نے؟
ترا مسکن ثریا تھا مگر اب قعرِ ذلت ہے

کیا کنگال مغرب نے تری عقل و فراست کو
کہا کس نے تجھے تو ننگِ دیں ہے، ننگِ ملت ہے

خلافِ عقل و ایماں ہے صدائے مغربی سن لے
حجازی لَے جو تیری ہے وہی آوازِ فطرت ہے

کہیں ساقیِ محفل ہے، کہیں سامانِ عیاشی
نئی تہذیب کی نظروں میں تیری بس یہ وقعت ہے

فلک سے دیکھ تیرے نام یہ فرمان ہے آیا
تو ماں ہے ابنِ آدم کی، خدا کی ایک نعمت ہے

حیا معراجِ انساں بھی، حیا تنویرِ ایماں بھی
حیا کی پاسباں بن جا، حیا ہی تیری دولت ہے

تری ہر اک ادا پر ہیں نگاہیں ساری دنیا کی
بشر سازی، جہاں سازی تری مخصوص دولت ہے

خدیجہؓ کے نقوشِ پا ہیں شمعِ رہ گزر تیری
حیاتِ نو کی آمد ہے، ترے خوں کی ضرورت ہے

جہاں کو دے تو درسِ زندگانی عائشہؓ بن جا
جہانِ نو میں تو بیٹی مثالِ فاطمہؓ بن جا

بتاؤ کیا خریدو گے؟

[اپنے بچوں کے نام]

یہاں پہ دین بکتا ہے، یہاں ایمان بکتا ہے
یہاں انجیل بکتی ہے، یہاں قرآن بکتا ہے
یہاں اوتار بکتے ہیں، یہاں بھگوان بکتا ہے
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

وقارِ کعبہ بکتا ہے، خدا کا گھر بھی بکتا ہے
ولی کا آستانہ اور سنگِ در بھی بکتا ہے
یہاں گرجا بھی بکتا ہے، یہاں مندر بھی بکتا ہے
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

سیاست بھی یہاں بکتی، یہاں لیڈر بھی بکتا ہے
یہاں راہیں بھی بکتی ہیں، یہاں رہبر بھی بکتا ہے
یہاں اشلوک بکتا ہے، یہاں منتر بھی بکتا ہے
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

مفکر کے یہاں سلجھے ہوئے افکار بکتے ہیں
ہزاروں درد میں ڈوبے ہوئے اشعار بکتے ہیں
یہاں ذاکر کی صبح و شام کے اذکار بکتے ہیں
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

یہاں درویش بکتا ہے، یہاں زردار بکتا ہے
یہاں سردار بکتا ہے، یہاں خوددار بکتا ہے
یہاں روٹی کے ماروں کا بھرا سنسار بکتا ہے
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

عدالت میں عروسِ عدل کا کنگن بھی بکتا ہے
وکیلوں کی وکالت کا یہاں جوبن بھی بکتا ہے
یہاں فن کار بکتے ہیں اور اُن کا فن بھی بکتا ہے
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

یہاں پر عشق بکتا ہے، یہاں پر پیار بکتا ہے
یہاں تخلیق بکتی ہے، یہاں فن کار بکتا ہے
صحافی پہلے بکتے ہیں تو پھر اخبار بکتا ہے
یہاں ہر چیز بکتی ہے، بتاؤ کیا خریدو گے؟

ایک عزیز کی بے چارگی

خدا گواہ زمان و مکاں بھی شاہد ہے
یہ ماہتاب و قمر آسماں بھی شاہد ہے
ہمالہ، گنگ و جمن، گلستاں بھی شاہد ہے
عمیق بحر بھی، سیلِ رواں بھی شاہد ہے
ہمارا گھر ہی نہیں، سائباں بھی شاہد ہے
گلی کے موڑ کی بوڑھی دکاں بھی شاہد ہے
کلی کا ہونٹ اور اس کی امنگ شاہد ہے
گلوں کا حسن اور اس کی ترنگ شاہد ہے
نسیم صبح کی دلکش ادائیں شاہد ہیں
طیورِ باغ کی رنگیں نوائیں شاہد ہیں

ہمارے سامنے چہروں کی کچھ قطاریں تھیں
ہر ایک چہرے سے چھنتی ہوئی بہاریں تھیں
نعیم اُن میں حسیں اور کچھ جمیل بھی تھے
سعید اُن میں ظریف اور کچھ عقیل بھی تھے
کوئی تو ایسا جو قدرت کا اک خزانہ تھا
کسی کے حسن پہ مرتا ہوا زمانہ تھا
کسی کے سامنے اک مقصد حیات تھا میں
کسی کے سامنے خوشیوں کی اک برات تھا میں
کسی کے خواب میں اک بہترین ہمدم تھا
کسی کے خواب میں زخموں کا میں ہی مرہم تھا
کسی کے سامنے میں پیکرِ تحمل تھا
کسی کے سامنے میں حاصلِ تغزل تھا
کسی کے سامنے میں میرؔ کی رباعی تھا
کسی کی زیست کا میں ہم سفر خیالی تھا
کسی کے سامنے انصاف تھا، مروّت تھا
کسی کے سامنے شفقت تھا اور اُلفت تھا
کسی کے سامنے تہذیب کا رسالہ تھا
کسی کے سامنے کردار کا ہمالہ تھا

کسی کے سامنے اک پیڑ سایہ دار تھا میں
کسی کے سامنے اک بحر بے کنار تھا میں
ہر ایک اُن میں تڑپتا تھا میری قربت کو
ہماری چاہ کو، الفت کو اور شفقت کو
مگر کسی کو کبھی گھوم کر نہیں دیکھا
کسی کے حق میں کبھی ایک پل نہیں سوچا
یہ مانتا ہوں کہ میں نے بڑا گناہ کیا
گھروندا خواب کا کتنوں کا ہی تباہ کیا
ہے ایک اور گنہ جس کو بار بار کیا
وہ جرم یہ ہے کہ بس میں نے تجھ سے پیار کیا
ہجوم حسن سے تیرا ہی انتخاب کیا
مجھے یقین ہے میں نے نہ کچھ خراب کیا
بسایا روح میں تجھ کو، ترے خیالوں کو
نظر سے چوم لیا تیری مست چالوں کو
جہاں بھی سایہ ترا مل گیا، سلام کیا
تصورات میں تجھ سے فقط کلام کیا
جبین شوق ترے سنگ در کو بیچ دیا
نگاہِ شوق تری رہ گزر کو بیچ دیا

تری کلائی کو ڈالی گلاب کا سمجھا
سیاہ زلف کو ٹکڑہ سحاب کا سمجھا
تجھے ہی نازشِ حسن و جمال بھی سمجھا
تجھے منارۂ حسن و کمال بھی سمجھا
مگر یہ کیسی قیامت ہے پھر بھی جانِ غزل
تری نگاہ میں مشکوک میری فکر و عمل
مرا وجود فریب اور میری ذات سراب
جنونِ عشق فریب اور سب صفات سراب
وفا کے نام پہ میں نے تو کاروبار کیا
تجھے فریب دیا اور کسی سے پیار کیا
ترا خیال مرا عشق اک ریاکاری
یہ تیری سوچ، مری چاہ اک اداکاری
ترے خیال میں بس اک سیاہ رات ہوں میں
کریں جو دفن جہاں کو وہ حادثات ہوں میں
میں تیری سوچ و تفکر کا واسطہ دے کر
ہزار بات کی اک بات تجھ سے کہتا ہوں
نہ ڈھونڈ اب کوئی الزام میرے سر کے لیے
جو تجھ کو چاہا تھا الزام بس وہ کافی ہے

بہار بن کے رہو

[برادر محترم محمد اسماعیل اقبال کی شادی کے موقع پر اُن کی جیون ساتھی کے نام]

تم اس چمن میں ہمیشہ بہار کے بن کے رہو
قرار آئی ہو بن کر، قرار بن کے رہو

تم اپنے حسنِ محبت سے سب پہ چھا جاؤ
خلیق بن کے رہو، غم گسار بن کے رہو

جو پیار آج ملا ہے وہ کل بھی پاؤ گی
مگر ہے شرط! سلیقہ شعار بن کے رہو

علیؓ کے حق میں تھیں جس طرح فاطمہ زہراؓ
اُسی طرح سے اطاعت گزار بن کے رہو

جو زندگی کے کسی موڑ پہ بھی غم پاؤ
وہاں خزینۂ صبر و قرار بن کے رہو

ہزار اور سہاگن ہیں اس زمانے میں
مگر تم اپنی جگہ یادگار بن کے رہو

ظفرؔ کی بس یہ دعا اور یہ تمنا ہے
نہ زندگی میں کبھی سوگوار بن کے رہو

دعائیہ نظم

(بتقریب نکاح عزیزی صباح اسماعیل)

حسین صبح ملے، شام مشک بار ملے
صباحؔ راہ میں ہر گام پر بہار ملے

حیاتِ نو کی کڑی دھوپ میں، دعا ہے مری
قدم قدم پہ تجھے پیڑ سایہ دار ملے

چھپا لے کوئی تجھے دامنِ تمنا میں
خدانخواستہ موسم جو اشک بار ملے

مفر ہے گرم ہوا سے یہاں کسے، لیکن
ترے چمن کی فضا تجھ کو خوش گوار ملے

سجا رہا ہے جو گلشن تو اپنے خوابوں کا
ہر ایک پھول تجھے اس کا باوقار ملے

رہِ وفا سے اگر تو صباحؔ بھٹکے کبھی
خیالِ یار ترا بن کے پاسدار ملے

سعیدؔ، باسطؔ و رافعؔ و زیدؔ، یاسرؔ کی
رفاقتوں کی تجھے یہ حسین قطار ملے

سہیلؔ کا بھی وظیفہ ہے یہ ظفرؔ کی طرح
رفیقِ راہ خدا رکھے، جاں نثار ملے

حیاتِ نو کے سفر کی طویل راہوں میں
جو چاہے کچھ نہ ملے، فضلِ کردگار ملے

اِدھر دعائے ظفرؔ ساتھ ہو، اُدھر ماں کی
ہمیشہ تجھ کو زمانے میں سب کا پیار ملے

دعائیہ نظم

(بتقریب نکاح عزیزی سہیل اسماعیل)

تجھ کو خدائے پاک دلہن بے مثال دے
کشتی سہیل! تیری بھنور سے نکال دے

اک دوسرے کے واسطے ہو دل میں احترام
جذبہ تمہارے دل کو خدا لازوال دے

بحرِ الم کے غیظ و غضب کا ہو جب شکار
خود بڑھ کے موج تیرا سفینہ اُچھال دے

"ہر روز روزِ عید ہو، ہر شب شبِ برات"
ایسی خوشی ملے کہ زمانہ مثال دے

اقبالؔ و بوالحسن کی جو زندہ مثال ہو
میری دعا ہے تجھ کو خدا ایسا "لال" دے

میناؔ بھی چل کے حضرت خنساءؓ کے نقش پر
لختِ جگر کو پائے محمدؐ پہ ڈال دے

کرنا دعائیں کام ظفرؔ کا تھا اے خدا
اب تیرا کام ان کو تو حسنِ کمال دے

قطعات

یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے پیارے ہیں رسولؐ
خوش نصیبی ہے ہماری کہ ہمارے ہیں رسولؐ
تم ذرا جہل کے پردے کو ہٹا کر دیکھو
وحدتِ حق کے مچلتے ہوئے دھارے ہیں رسولؐ

●

نحوست کی گھڑیاں ٹلی ہیں ٹلیں گی
مسرّت کی کلیاں کھلی ہیں کھلیں گی
بلا شرط قرآں کو رہبر بنا لو
نبیؐ کی دعائیں ملی ہیں ملیں گی

●

کہیں پہ فکرِ جدید و قدیم پہنچی ہے
کہیں پہ صوتِ لعین و رجیم پہنچی ہے
وہاں وہاں پہ اندھیروں نے مات کھائی ہے
جہاں جہاں پہ کتابِ حکیم پہنچی ہے

●

مال و زر جس کے پاس ہے اُس کو
جھک کے بندہ سلام کرتا ہے
جس کے سینے میں ہے کلامِ خدا
اُس کا جگ احترام کرتا ہے

●

جہانِ کرب میں دارالسلام ہے قرآں
امان و امن کا واحد پیام ہے قرآں
ہر ایک موڑ پہ ہوگا وہ کامیاب ظفرؔ
ہر ایک گام پہ جس کا امام ہے قرآں

●

اُس ذات کے احساں کا مرہون زمانہ ہے
احمدؐ ہے لقب جس کا، رحمت کا خزانہ ہے
تاریخ یہ کہتی ہے اُس ذات کے بارے میں
تحقیق نے چھانا ہے تب دہر نے مانا ہے

●

کسی سے بھول کے بھی تم سوال مت کرنا
یہ تجربہ ہے کہ ہر شخص ٹال دیتا ہے
جو مانگنا ہو تو رب سے ہی عاجزی کرنا
بغیر مانگے جو مریم کو لال دیتا ہے

●

دینِ وحدت ہی ہے انعامِ خدا کا مخزن
یہ تمہیں درد نہیں، چین کا نغمہ دے گا
اس سمندر کی حفاظت سے نہ غافل رہنا
یہ اگر خشک بھی ہو جائے تو دریا دے گا

●

عہدِ حاضر میں یہ دولت کا کرشمہ دیکھا
اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق بدل جاتی ہے
اب تو داعی کی محبت نہیں دیکھی جاتی
خدمتِ خلق کی توفیق بدل جاتی ہے

●

آرزو ہے کسی سے ملنے کی
مشورہ ہے یہی مرا لوگو
ظلم، لالچ، ریا، تعصب سے
پہلے مل لو، تو آدمی سے ملو

●

جو قوم اپنا سفینہ جلا بھی سکتی ہے
جو کربلا میں گھرانہ لٹا بھی سکتی ہے
ستم سے آکے اگر تنگ، فیصلہ کر لے
تو اس زمین کو مرگھٹ بنا بھی سکتی ہے

●

ہمارے ہاتھ کی ریکھائیں جو بدل ڈالے
ترس رہی ہیں نگاہیں اُس آدمی کے لیے
میں اک چراغ ہوں لیکن نصیب تو دیکھو
ترس رہا ہوں زمانے سے روشنی کے لیے

●

وفا تو راس نہ آئی کبھی مجھے لوگو
گزر چکے ہیں جو لمحات اُن پہ رونے دو
وفا کے نام پہ اٹکھیلیوں کو بند کرو
میں تھک چکا ہوں بہت اب تو مجھ کو سونے دو

●

نوازشات کی کلیاں کہیں پہ اور کھلا
مری حیات کو تو غرقِ یاس رہنے دے
غم و الم ہی سہارا ہیں تیری قربت کا
مرے خدا تو مجھے اپنے پاس رہنے دے

●

جس سے چاہو ملو، تمھیں حق ہے
آشنا سے کہ اجنبی سے ملو
یوں تو چہرے بہت ملیں گے تمھیں
مشورہ ہے کہ آدمی سے ملو

●

ایک پاگل نے کہا دوستو! میری بھی سنو
اس نئے دور کا ہر شخص تمھیں لوٹے گا
اب تو انسان کے بدلے کسی پتھر سے ملو
خون میں ڈوبے گا بدن، دل تو نہیں ٹوٹے گا

●

بپا ہمیں تو نیا انقلاب کرنا ہے
ضعیف روح میں پیدا شباب کرنا ہے
ہماری چال سمجھنے کی بھول مت کرنا
بہت ہی جلد کسی کا حساب کرنا ہے

●

تمھارا دور، تمھاری یہاں حکومت ہے
کہ میں ہوں تنہا، نہیں کوئی یار ہے لوگو!
ہے سچ پرانی ہے تلوار میری آج تلک
یقین رکھو مگر اب بھی دھار ہے لوگو!

●

ملن کی آس کو اکثر نراش کرتا ہے
ہمارے قلب کو وہ پاش پاش کرتا ہے
عجیب شخص ہے اُس کی عجیب ہے فطرت
قریب رہ کے بھی مجھ کو تلاش کرتا ہے

●

قائد کی یہ منطق کہ فقط مال و حکومت
ملا کی نصیحت ہے کہ تسبیح و مناجات
قرآن کا کہنا کہ حیات اس میں ہے لوگو
ایمان و عمل اور فقط صبر و ہدایات

●

پاس جس کے ہیں جبہ و دستار
وہ ہے محبوبِ رب یہ فتویٰ ہے
اور قرآں اُسے حبیب کہے
پاس جس کے لباسِ تقویٰ ہے

●

کہتا ہوں کب حیات مجھے پُر بہار دے
یا عیش سے لدے ہوئے لیل و نہار دے
تو جو بھی دے قبول، مگر ہے یہ آرزو
میری زباں کو معنیِ فطرت نگار دے

●

اپنی تنویر سے تو مجھ کو منور کر دے
کب کہا، دے کے سند مجھ کو پیمبر کر دے
تیری ہر چوٹ کو سہ لوں جو ہے خواہش تیری
پھر ظفرؔ کو تو کسی راہ کا پتھر کر دے

●

ایک رہزن نے یہ رہبروں سے کہا
تذکرہ آپ جب بھی مرا کیجیے
مشورہ ہے مرا اُس گھڑی صاحبو!
آئینہ سامنے رکھ لیا کیجیے

○○○